(۵۸)

سُورَۃُ المُجَادِلَۃ

یہ سورت مدنیہ ہے اور اس کی بائیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں :۔ نزلت سورۃ المجادلۃ بالمدینۃ ۔ (ابن الضریس، نحاس، ابوالشیخ، بیہقی) سورت مجادلہ مدینہ (منورہ) میں نازل ہوئی " حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے (ابن مردویہ)۔

بعض کے نزدیک آیۃ مایکون من نجوی ثلاثۃ مکیہ ہے اور عطاءؒ فرماتے ہیں کہ ابتدائی دس آیات مدنیہ اور باقی مکیہ ہیں گویا ان حضرات کے نزدیک اس سورت کریمہ کو اکثریت کی بناپر یا ابتدائی آیات کے اعتبار سے مدنیہ کہا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط و مناسبت سورۂ حدید کے ساتھ سورۂ مجادلہ کے ربط اور مناسبت کے باب میں مفسرین کرام نے وجوہ ذیل بتلائے ہیں :۔

۱۔ سورۂ حدید کا اختتام آیات فضل پر ہوا تھا اور اس سورت کا

آغاز ایک انصاریہ کی درخواست کو قبول کر لینے سے ہو رہا ہے۔ یہ بھی محض فضل الٰہی ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اس کی ابتدائی آیت قد سمع اللہ کی تلاوت سخت بیماری یا کسی مہم کے سر ہونے کے لئے مفید ہے سخت بیماری میں تو فقیر نے بھی اس کو دم کرنا مفید پایا۔

۲۔ سورۂ حدید کا آغاز اللہ سبحانہ کے اسمائے حسنیٰ ظاہر و باطن سے ہوا تھا۔ نیز اُس میں زمین و آسمان کے ظاہر و باطن یعنی باہر اور اندر کا علم اللہ سبحانہ کو حاصل ہونے کا بیان تھا اس سورت کا آغاز، صفات سمع و بصر سے ہو رہا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی صفت ہر چیز کو دیکھنا اور ہر ایک کی سننا بھی ہے۔ جس سے علم کی تائید ہوتی ہے۔

۳۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ سورۃ ماسبق میں حدید (لوہے، اسلحہ، ہتھیار) کا بیان تھا۔ اس سورۃ کریمہ میں اُن لوگوں کی مذمت بیان ہوئی ہے جو خدا اور رسول کے خلاف میں ہتھیار اٹھانے اور حدید کا استعمال کرتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ ان الذین یحادّون اللہ ورسولہٗ یوادّون من حادّ اللہ ورسولہ۔

سورۃ ہذا کا شرف	سورۂ مجادلہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کی کوئی آیۃ

اسم جلالہ اللہ سے خالی نہیں بلکہ بعض آیات میں دو تین بلکہ چار چار دفعہ وارد ہوا ہے چنانچہ سورت ہذا میں کل (۲۲) بائیس آیات ہیں جن میں اسم جلالہ اللہ (۳۵) پینتیس دفعہ آیا ہے اور ظاہر ہے کہ ذکر کی فضیلت مذکور سے ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجَادِلُکَ فِیۡ زَوۡجِہَا وَ تَشۡتَکِیۡۤ
اِلَی اللّٰہِ ٭ۖ وَ اللّٰہُ یَسۡمَعُ تَحَاوُرَکُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ
بَصِیۡرٌ ۝ اَلَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِہِمۡ مَّا ہُنَّ
اُمَّہٰتِہِمۡ ؕ اِنۡ اُمَّہٰتُہُمۡ اِلَّا الّٰٓیِٴۡ وَلَدۡنَہُمۡ ؕ وَ اِنَّہُمۡ
لَیَقُوۡلُوۡنَ مُنۡکَرًا مِّنَ الۡقَوۡلِ وَ زُوۡرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ
غَفُوۡرٌ ۝ وَ الَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِہِمۡ ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ
لِمَا قَالُوۡا فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِکُمۡ
تُوۡعَظُوۡنَ بِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ۝ فَمَنۡ لَّمۡ یَجِدۡ
فَصِیَامُ شَہۡرَیۡنِ مُتَتَابِعَیۡنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنۡ لَّمۡ

يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ
رَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

سن لی اللہ نے بات اس عورت کی جو حجت کرتی تھی آپ سے اپنے خاوند کے حق میں اور فریاد کرتی تھی اللہ کے آگے، اور اللہ سنتا تھا سوال جواب تم دونوں کا، بے شک اللہ سنتا ہے دیکھتا ہے۔ جو لوگ ماں جیسی کہہ بیٹھیں تم میں سے اپنی عورتوں کو وہ نہیں ہو جاتیں ان کی مائیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنا، اور وہ بولتے ہیں ایک ناپسند بات اور جھوٹی، اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔ اور جو لوگ ماں جیسی کہہ بیٹھیں اپنی عورتوں کو پھر کرنا چاہیں وہی کام جس کیلئے کہا تھا تو آزاد کرنا چاہیے ایک بردہ (غلام) پہلے اس سے کہ آپس میں ہاتھ لگائیں، اس سے تم کو نصیحت ہوگی، اور اللہ خبر رکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ پھر جو کوئی نہ پائے تو روزے ہیں دو مہینے کے لگاتار پہلے اس سے کہ آپس میں چھوئیں، پھر جو کوئی یہ (بھی) نہ کر سکے تو کھانا دینا ہے ساٹھ محتاجوں کو، یہ حکم اس واسطے کہ تابعدار ہو جاؤ اللہ کے اور اس کے رسول کے، اور یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی،

اور منکروں کے واسطے عذاب ہے درد ناک ‘‘

شان نزول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حجت کرنے والی کی نسبت تمام رواۃ متفق ہیں کہ وہ ایک انصاریہ خاتون تھیں البتہ اون کے نام، ولدیت، اور اون کے شوہر کے نام میں اختلاف ہے اکثر رواۃ یہی فرماتے ہیں کہ ان خاتون کا نام خولہؓ بنت ثعلبہ، اور ان کے شوہر کا نام اوسؓ بن صامت تھا جو صحابی مشہور عبادہؓ بن صامت کے بھائی تھے ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۔

قصہ یہ ہوا کہ اوس بن صامتؓ سن رسیدہ ہونے کے باعث تند مزاج ہو گئے تھے ۔ ایک دن اپنی بی بی خولہؓ سے کچھ فرمائش کی اونھوں نے نہ مانی، اس پر بگڑ کر کہہ بیٹھے : ۔ انت علیّ کظہر امی تو مجھ پر ایسی ہے جیسی میری ماں کی پیٹھ ‘‘ جاہلیت کا دستور تھا کہ اگر شوہر اپنی زوجہ سے ایسا کلمہ کہتا تو یہ عورت ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو جاتی ۔ مگر عہد اسلامی کا یہ پہلا واقعہ تھا ۔ بڑے میاں نے کہنے کو تو یہ کلمہ طیش میں آ کر کہہ دیا پھر پچتانے لگے ۔ اور بی بی کو بلایا مگر بی بی نے انکار کر دیا کہ اب خدا اور رسولؐ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا ۔

چنانچہ فوراً خدمت مبارک میں حاضر ہوکر عرض پرداز ہوئیں :—

یا رسول اللہ انّ اوسا تزوّجنی وانا شابّۃ مرغوب فیّ فلما خلا سنّی ونثرت بطنی جعلنی علیہ کاُمّہ وترکنی الی غیر احد فان کنت تجد لی رخصۃ یا رسول اللہ تنعشنی بھا وایّاہ فحدّثنی بھا۔ یارسول اللہ! جس زمانہ میں اوسؓ نے میرے ساتھ بیاہ کیا تھا میں جوان تھی ہر کوئی میرا خواہش مند تھا۔ اب جبکہ میری عمر ڈھل گئی اور قابل اولاد نہ رہی تو مجھے خود پر اپنی ماں کی مانند قرار دیا اور ایسی حالت میں چھوڑ دیا ہے کہ میں کہیں کی نہ رہی — یارسول اللہ! آپ کوئی صورت ملاپ کی پاتے ہیں تو ارشاد فرمائیں میری اور اون کی نئی زندگی ہوگی۔" اس پر حضور انورؐ نے فرمایا :—

واللہ ما امرت فی شانك بشیئ حتی الآن ۔ بخدا! تیرے اس واقعہ میں اب تک مجھے کوئی حکم نہیں ملا۔" اور ایک روایت میں یوں فرمایا :— ما اراك الا قد حرمت ۔ میرا خیال تو یہی ہے کہ تو حرام ہوچکی۔" اس پر وہ کہنے لگی :— ما ذکر طلاقا ۔ طلاق کا ذکر تک آیا (پھر حرمت کیسی؟) حضور انورؐ نے دوبارہ بھی وہی فرمایا تو کہنے لگیں:—

لا تقل ذلك یا رسول اللہ! یارسول اللہ! حرمت کا کلمہ نہ فرمانا"
(کیونکہ آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمہ صادر ہوگا تو امر الہٰی بھی اسی طرح
نازل ہوگا) پھر وہ کبھی یہ کہتی:۔ اللھم انی اشکوا الیك شدۃ
وحدتی وما یشق علی من فراقه۔ الہٰی! میں آپ کی جناب میں اپنی
تنہائی کا شکوہ کرتی اور اون سے جدائی کی تکلیف و شدت کو پیش
کرتی ہوں" کبھی کہتی:۔ اشکوا الی اللہ تعالی فاقتی وشدت
حالی وان لی صبیة صغارا ان ضممتهم الیه ضاعوا وان ضممتهم الی جاعوا و جعلت
ترفع راسها الی السماء وتقول اللھم انی اشکوا الیك
اللھم فانزل علی لسان نبیك وما برحت حتی نزل
القرآن فیها۔ میں اپنی احتیاج اور شدت حال کا شکوہ اللہ تعالیٰ
کی جناب میں پیش کرتی ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اگر ان کو
باپ کے پاس چھوڑتی ہوں تو تباہ ہو جائیں گے (کیوں کہ باپ خود
بڑھاپے کے باعث محتاج خدمت ہے ان بچوں کا پرسان حال کون
ہوگا؟) اور ان کو اگر اپنے ساتھ رکھتی ہوں تو یہ کیا کھائیں گے؟
(کیونکہ عورت ذات کمائی پوت تو نہیں ہوتی) یہ کہتی ہوئی سر اٹھا اٹھا کر

آسمان کو دیکھتی اور کہتی کہ الٰہی! آپ کی جناب میں میری فریاد ہے الٰہی! اپنے نبی کی زبانی اس کا حل اتارنا۔ یہی اس کا اصرار رہا تا آں کہ اوس کی بابتہ قرآن کریم نازل ہوا۔" فقال صلی اللہ علیہ وسلم یا خولۃ ابشری قالت خیراً فقرأ علیہ الصلاۃ والسلام علیہا قد سمع اللہ الآیات۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خولہ! خوش ہو جاؤ۔ اس نے عرض کی خدا خیر کرے۔ چنانچہ سید عالم حضور اکرمؐ نے قد سمع اللہ کی ابتدائی (چار) آیات اون کو پڑھ سنائیں۔"

خولہ حضرت عمرؓ کی نظر میں ابن زیدؓ فرماتے ہیں:۔ لقی عمر بن الخطاب امرأۃ یقال لھا خولۃ وھو یسیر مع الناس فاستوقفتہ فوقف لھا ودنا منھا واصغی الیھا رأسہ ووضع یدیہ علی منکبیھا حتی قضت حاجتھا وانصرفت فقال لہ رجل یا امیر المومنین حبست رجال قریش علی ھذہ العجوز قال ویحك وتدری من ھذہ قال لا قال ھذہ امرأۃ سمع اللہ شکواھا من فوق سبع سموات ھذہ خولۃ بنت ثعلبۃ

واللہ لولم تنصرف عنی الی اللیل ما انصرفت حتی تقضی حاجتھا۔ (ابن ابی حاتم ۔بیہقی)۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکابر قریش کے ساتھ کسی اہم کام پر تشریف لے جارہے تھے راستہ میں خولہ نامی ایک بڑھیا نے آپ کو ٹھہرادیا۔ آپ اوس کے لئے ٹھہر گئے قریب سے کھڑے رہے ۔ سر جھکا کر اون کی باتیں سنیں اپنے دونوں ہاتھ اون کے شانوں پر رکھے رہے تا آنکہ وہ خود ہی واپس ہوئیں ۔کسی نے پوچھا امیر المومنین! آپ نے ایک بڑھیا کی خاطر اکابر قریش کو ٹھہرادیا؟ آپ نے فرمایا افسوس! تمھیں معلوم بھی ہے کہ یہ کون خاتون ہیں؟ اوس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ وہ عورت ہے جس کی فریاد سات آسمانوں پر سے اللہ سبحانہٗ نے سُنی ۔یہ خولہ بنت ثعلبہ ہیں۔ خدا کی قسم! اگر شام تک بھی وہ واپس نہ ہوتیں تو میں بھی واپس نہ ہوتا تا آں کہ اون کی حاجت برآری نہ ہو۔"

دوسرا واقعہ تاریخ بخاری میں ایک اور واقعہ بھی لکھا ہے کہ ان خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو راستہ میں روک دیا۔ اور خوب ڈانٹ ڈپٹ کی ۔ایک شخص نے متعجب ہو کر پوچھا کہ امیر المومنین! آج تو عجیب منظر درپیش ہوا جو کبھی دیکھنے میں نہ آیا۔ آپ نے فرمایا کیا اُن

بزرگ خاتون کی باتیں نہ سنوں جن کی بات اللہ سبحانہ نے سماعت فرمائی۔ اور اون کے باب میں قرآن کریم کی آیات نازل ہوئیں۔ کہتے ہیں کہ خولہ نے حضرت عمرؓ کو ان الفاظ میں مخاطب کیا تھا:۔ یا عمر قد کنت تدعی عمیرا ثم قیل لک عمر ثم قیل امیر المومنین فاتق اللہ یا عمر فانہ من ایقن الموت خاف الفوت ومن ایقن الحساب خاف العذاب۔ عمر! کبھی تم کو عمیر کے نام سے بلایا جاتا تھا پھر عمر کہا جانے لگا۔ (عمیر کے معنی ہیں چھوٹا عمر یہ صیغۂ تصغیر ہے۔ بچوں کو عرب میں صیغۂ تصغیر سے یاد کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ تم کو ابتداءً عمیر کہتے تھے جب تم بڑے ہوئے تو عمر کے نام سے یاد کئے جانے لگے) پھر تمھارا لقب امیر المومنین قرار پایا ہے۔ لہذا عمر! تم خدا سے ڈرتے رہو۔ جس کو موت کا یقین ہو وہ فرض کے فوت ہو جانے سے ڈرتا رہتا ہے اور جس کو حساب کا یقین ہو وہی عذاب سے ڈرتا ہے "۔

ایک نکتہ | یہاں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر کوئی کسی سے کہے کہ خدا سے ڈرو تو ضرور اس کلمہ کا اثر لینا چاہیئے اگرچہ کہنے والا چھوٹے درجہ کا آدمی ہو۔ اس لئے کہ اوس نے اللہ کا نام لیا ہے۔ اور اللہ سبحانہ کا نام سب سے بڑا ہے۔ اور یوں جواب نہ دے کہ پہلے تم اپنی خبر لو۔ تم اور میرے مقابلہ میں

یہ کلمہ۔ اس قسم کی گفتگو اللہ سبحانہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے۔ جیسا کہ حضرت عمر نے اللہ سبحانہ کے نام کا احترام فرمایا اگرچہ اوس کو ایک ضعیفہ کی زبانی سنا تھا۔

مومن کی مثال نیز مومن کی مثال شہد کی مکھی جیسی ہے کہ وہ ہر پھول سے استفادہ کرتی ہے پھر شہد جیسی شیریں خوش ذائقہ، خوش رنگ، خوشبو دار چیز دیتی ہے جس میں ہر بیماری سے شفا ہے۔ چنانچہ شہد اکثر دواؤں میں کارآمد ہوتا ہے۔ نیز اس سے ادنیٰ چیز (موم) جو میسر آتا ہے اوس سے روشنی کا کام لیا جاتا ہے یعنی تاریکی دفع ہوتی اور نور حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح مومن کو چاہیئے کہ وہ چھوٹے بڑے ہر ایک کی نصیحت سنے اور ہر ایک سے استفادہ کرے اور خود وہ کام کرے جو اپنے پرائے سب کے لئے مفید و کارآمد ہو۔

اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ۔ جو لوگ تم میں کے اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں (اون کو ماں سے تشبیہ دیتے ہیں) وہ (سچ مچ) اون کی مائیں نہیں ہیں۔ اُن کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے

اون کو جنا ہے اور یہ لوگ ضرور ایک بُری اور بناوٹی بات کہتے ہیں۔
اور بے شک اللہ ضرور معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔" یہاں سے ظہار کے
احکام بیان ہو رہے ہیں۔ کتب فقہ میں اس کا مستقل باب ہے جس میں
پورے تفصیلی احکام درج ہیں۔ کتب احادیث شریفہ میں بھی کچھ وضاحت
موجود ہے۔

آیہ کریمہ صدر کی تفسیر ارشاد ہو رہا ہے کہ اے مسلمانو! تم میں کے
جو لوگ اپنی بی بیوں کو اپنی ماں کے مشابہ قرار دیتے ہیں، صرف زبان سے
ایسا کہہ دینے کی بنا پر اون کی بی بیاں، اُن کی مائیں قرار نہیں پا سکتیں
یہ تو صرف زبانی جمع و خرچ ہے۔ اس سے حقائق نہیں بدل سکتے۔ حقیقت میں
ماں وہی ہے جس عورت نے اوس کو جنا تھا اگر کسی اور عورت کو ماں جیسی
کہہ دیا جائے تو ایسی بات حقیقت سے بعید ہے۔ رد کر دینے کے قابل ہے
ایک مصنوعی بات ہے۔ تصنع کا حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ پھر بھی
انسان اپنی نادانی سے کبھی ایسا کلمہ کہہ دے تو اللہ سبحانہ کے اسمائے
حسنیٰ میں عَفُوٌّ غَفُوْرٌ بھی شامل ہیں لہذا اللہ سبحانہ کی صفات
عَفُوٌّ غَفُوْرٌ یہاں کارفرما رہینگی۔ ان کی ایسی غلطی معاف کر دی جائیگی

اور بخش دی جائے گی۔

چند تصریحات کے فوائد یہاں منکم کی قید سے فقہائے کرام نے یہ مسئلہ استنباط فرمایا کہ ظہار کے احکام صرف مسلمانوں سے متعلق ہیں لہٰذا زوجہ کو ماں کے مانند کہہ دینے سے ان پر کفارہ عاید ہوگا۔ لیکن اگر کوئی غیر مسلم ایسی حرکت کرے اور اس کے بعد مسلمان ہو جائے تو اوس پر کفارہ کی ادائی واجب نہ ہوگی کیوں کہ کفارہ عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں ہے۔ اسی طرح اگر نابالغ یا مجنون ظہار کرے تو اوس سے بھی ظہار کے احکام متعلق نہ ہوں گے۔ کیوں کہ نابالغ اپنے لڑکپن کی وجہ سے اور مجنون عقل سے دور ہونے کی وجہ سے عبادت کا اہل نہیں ہے۔

نیز امھاتھم کے کلمہ سے یہ مسئلہ استنباط فرمایا کہ اسمیں جملہ محرمات ابدیہ داخل ہیں مثلاً اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو دادی، نانی، بہن، بیٹی، خالہ، پھوپی وغیرہ کے ساتھ تشبیہ دے جن کے ساتھ نکاح کرنا اوس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہے تو اوس کا حکم بھی یہی ہوگا۔ من نسآئھم کی تصریح سے یہ مسئلہ اخذ فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی اجنبی عورت کو یا اپنی باندی کو محرمات سے تشبیہ دے تو ان صورتوں میں بھی

ظہار نہ ہوگا کیوں کہ مذکورہ عورتیں اس کی بی بیاں نہیں ہیں ۔ فقہائے کرام کی جماعت بھی امت مرحومہ کے احترام کی مستحق ہے کہ اس مقدس گروہ نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے امت مرحومہ کی بڑی خدمت فرمائی ہے اون کی یہ مبارک خدمات قیامت تک خراج تحسین حاصل کرتی رہیں گی اور ساری امت ان کے اس احسان عظیم کو کبھی فراموش نہیں کرسکتی ۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء و رحمہ اللہ علیھم رحمۃ واسعۃ ۔ آمین ۔

اسلام معلم حقیقت ہے

بہرحال مقدس دین اسلام جو حقائق کی تعلیم دیتا ہے اور اسی باعث دین فطرت کہلاتا ہے ۔ اس کے نزدیک ایسی باتیں جو حقیقت سے دور ہیں پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھی جائیں گی ۔ بعید از حقیقت باتوں کو رد کر دیا جائے گا ۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں تبنیت کا اعتبار نہیں ۔ کسی دوسرے کی اولاد کو اگر کوئی اپنی اولاد قرار دے کر اپنا جانشین اور وارث قرار دے اور دوسرے ورثاء کو محروم کرنا چاہے تو اس کو بھی رد کر دیا جائیگا ۔ متبنیٰ کا بیان سورۂ احزاب کی تفسیر میں حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمہ نے فرمادیا ہے وہاں ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے

جو تحت تفسیر ما کان محمد ابا احد من رجالکم قابل دید ہے۔

منکر اور زور کی ممانعت ظہار اللہ سبحانہ کے نزدیک منکر قرار پا چکا ہے۔ اور منکر کی نسبت دوسری جگہ ارشاد ہے :۔ وینھی عن الفحشاء والمنکر۔ (اللہ سبحانہ) بے حیائی اور برائی سے منع فرماتا ہے ۔" اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ظہار بھی ممنوع ہے ۔ نیز اس کو زور فرمایا گیا ہے جس کے معنی ہیں جھوٹ، غلط، بناوٹ کی بات ۔ باتیں بنانے کا مرض بھی لوگوں میں عام طور پر پھیلا ہوا ہے ۔ اس کے متعلق بخاری شریف کی یہ روایت یاد رکھنے کے قابل ہے جس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور سید الصدیقین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے فرمایا :۔ الا انبئکم باکبر الکبائر قلنا بلیٰ یا رسول اللہ ! قال الاشراك باللہ وعقوق الوالدین وکان متکئا فجلس وقال الا وقول الزور وشھادۃ الزور فما زال یقولھا حتّٰی قلت ولا یسکت ۔ کیا تم کو بڑے سے بڑے گناہوں کی خبر نہ دوں ؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ ! (ضرور ارشاد فرمائیے) ارشاد فرمایا کہ :۔ اللہ کے ساتھ شریک کرنا، اور ماں باپ کی نافرمانی، اس وقت تک آپ

تکیہ فرمائے ہوئے تھے پھر آپ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا۔ آگاہ رہو کہ مصنوعی بات کہنی' اور مصنوعی گواہی دینی (بھی بڑے سے بڑے گناہوں میں داخل ہے) اور اس جملہ کا بار بار اعادہ فرمانے لگے۔ تا آنکہ میں کہنے لگا کہ آپ سکوت نہ فرمائیں گے (اور اسی کلمہ پر زور دیتے رہیں گے)۔"

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا۔ اور جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں یعنی ان کو اپنی ماں جیسی کہہ بیٹھتے ہیں' پھر کرنا چاہیں وہی جس کے لئے کہا تھا یعنی جنسی افعال' تو آزاد کرنا چاہئے ایک شخص' پہلے اس سے کہ آپس میں ہاتھ لگائیں۔"

ظہار سے حرمت ثابت ہوتی ہے | اس آیہ کریمہ سے معلوم ہوا کہ ظہار کے ساتھ ہی عورت کو ہاتھ لگانا حرام ہو جاتا ہے لیکن یہ حرمت دائمی نہیں ہے بلکہ ادائے کفارہ تک ہے۔ چنانچہ حدیثوں میں اس کی صراحت موجود ہے۔ بیہقی میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے:۔

فلیس لہ ان یقربھا بنکاح ولا غیرہ حتی یکفر۔ شوہر کو عورت سے مقاربت یا بوس و کنار وغیرہ کا حق نہیں تا آنکہ کفارہ ادا کرے۔"

جاہلیت میں دائمی حرمت سمجھی جاتی تھی مگر شریعت مطہرہ نے اس میں سہولت
مرحمت فرمائی۔ یہ اس بناپر کہ زوجہ کو ماں کے ساتھ تشبیہ دینے سے حقیقت
نہیں بدل جاتی اور نہ وہ عورت فی الحقیقت اوس کی ماں بن جاتی ہے۔
البتہ زبان سے اس طرح کہہ بیٹھنا بھی بے اثر نہیں ہوسکتا۔ عارضی حرمت
تا ادائے کفارہ قائم ہوجاتی ہے۔ کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کیا
جائے۔ مذکر ہو یا مونث' بالغ ہو یا نابالغ' مومن ہو یا کافر۔ کیوں کہ
صرف تحریر رقبۃ ارشاد ہوا ہے جس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ ایک گردن
یعنی ایک شخص کو آزاد کردینا۔ وہ شخص کیسا ہو اس کی کوئی تخصیص نہیں
فرمائی گئی ہے۔ یہ تفسیر مذہب حنفی کے مطابق ہوئی۔

کفارۂ ظہار غلام آزاد کرنا حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے
ہیں کہ عبد مومن کو آزاد کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ کفارۂ قتل میں صراحت
آچکی ہے فتحریر رقبۃ مومنۃ یعنی مسلمان غلام کو آزاد کرنا چاہیے"۔
اصول فقہ کا ایک مسئلہ ہے کہ ایک جگہ نص مقید ہو اور دوسری جگہ مطلق تو
مطلق کو بھی مقید پر محمول کیا جائے گا مگر احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ
حمل مقید علی المطلق کا اصول وہاں کارفرما ہوگا جب کہ ایک ہی حادثہ

اور ایک ہی حکم کے سلسلہ میں ہو۔ یہاں ایسا نہیں ہے۔ حادثۂ قتل جدا ہے اور حادثۂ ظہار جدا۔ نیز قتل کے کفارہ کا بیان جدا موقع پر ہوا ہے اور ظہار کا جدا۔ لہٰذا ایک حکم کو دوسرے پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اس پر اتفاق ہے کہ جو غلام آزاد کیا جائے وہ عبد کامل ہونا چاہیے۔ مدبر، مکاتب، امّ ولد کو آزاد کرنا کافی نہیں۔ نیز وہ اندھا، لنگڑا اپاہج وغیرہ عیب دار نہ ہو بلکہ ایسے فاحش عیوب سے پاک ہو۔ عبد مومن کو آزاد کرنا احناف کے نزدیک مستحسن ہے واجب نہیں اور اگر عبد مومن اور صالح کو آزاد کیا جائے تو احسن ہے۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ صوفیۂ کرام کا طریق یہ ہے کہ احسن اور احوط کو اختیار کیا جائے اور عمل کا ایسا پہلو اختیار کیا جائے کہ تمام ائمہ کے نزدیک وہ عمل صحیح ہو۔ اس اعتبار سے عبد مومن اور صالح کو آزاد کرنے میں کسی امام کا خلاف باقی نہیں رہتا۔ تمام ائمہ کرام کے نزدیک کفارہ ادا ہو جاتا ہے اور یہی اولیٰ و انسب ہے۔ واللہ اعلم۔

کفارہ کا حکم نصیحت کیلئے ہے ذٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيْرٌ۔ اس سے تم کو نصیحت ہوگی۔ ظہار کرنے والے کو

یہ نصیحت ہو گی کہ اگر وہ دوبارہ ظہار کرے گا تو دوبارہ اوس کو کفارہ ادا کرنا پڑیگا۔ اور دوسروں کو یہ نصیحت ہے کہ اگر وہ بھی اس کا ارتکاب کریں تو ان کو بھی ایسا ہی حکم دیا جائے گا۔ بہرحال ایک حکم سنا کر مرتکب اور غیر مرتکب ہر دو گروہ کو آگاہ کر دیا گیا۔ جو "بیک کرشمہ دو کار" کا مصداق ہے اور اللہ خبر رکھتا ہے اوس کی جو تم کرتے ہو" یعنی یہ نہ تصور کیا جائے کہ ظہار تو میں نے اپنے گھر میں کیا تھا کسی نے دیکھا نہیں اور نہ کوئی اس کا گواہ ہے تو کفارہ کیوں ادا کروں؟ نہیں نہیں۔ عورت کی حلت و حرمت دین کا مسئلہ ہے جس کا تعلق فیما بینہ و بین اللہ ہے۔ اگر کوئی اس واقعہ سے واقف نہ ہو تو نہ ہوا کرے اللہ سبحانہ تعالیٰ کو تو اس کی خبر ہے۔ ظہار کر کے بھی انجان ہو جاؤ گے تو اللہ سبحانہ کے پاس جواب دہی کرنی ہو گی۔ اسی طرح جو کفارہ ادا کیا۔ کامل یا ناقص۔ اس کی بھی خبر ہے۔ اس کو بھی دیکھا جائے گا۔ اور اس کی نسبت بھی سوال ہو گا۔ کفارہ واجب ہونے کے بعد بغیر ادائی وہ ذمہ سے ساقط نہیں ہو سکتا۔ اگر بغیر ادائی کفارہ جماع یا دواعی جماع کا ارتکاب ہو تو اس کے لئے جداگانہ توبہ و استغفار کرنا ہو گا۔ کیونکہ یہ ایک مستقل خلاف ورزی ہے۔

اور کفارہ کی ادائی دوش پر رہیگی ۔ آگے ارشاد ہے :۔

غلام نہ ملے تو دو مہینے کے روزے | فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۔ پھر جو کفارہ کی ادائی میں دینے کے لئے غلام نہ پائے ۔ اس کی دو صورتیں ہیں ۔ ایک یہ کہ غلام آزاد کرنے کی اس میں سکت نہ ہو ۔ یعنی نہ اس کے پاس غلام موجود ہے اور نہ خرید کر آزاد کرسکتا ہے ۔ دوسری صورت یہ کہ خریدی کی مقدرت تو ہے لیکن غلام میسر ہی نہیں آتا ۔ جیسا کہ فی زماننا مشاہدہ ہورہا ہے کہ غلامی کا طریقہ ہی مسدود ہے ۔ ڈھونڈے سے بھی مل نہیں سکتا تو حکم یہ ہے کہ کامل دو مہینے تک متواتر روزے رکھے جائیں ۔ اس میں بھی یہ ضروری ہے کہ ان روزوں کی تکمیل تک میاں بی بی ایک دوسرے کو ہاتھ نہ لگائیں اگر روزے رکھتے رکھتے دو مہینے کے اندر ایک دن بھی روزہ چھوڑ دیا تو از سر نو روزوں کا سلسلہ شروع کرنا ہوگا ۔ کیونکہ شہرین متتابعین ۔ کی خلاف ورزی ہوئی ہے ۔ یا دو مہینے کے روزے تکمیل پانے سے پیشتر آپس میں ہاتھ لگایا تو اس صورت میں بھی از سر نو روزے شروع کرنا ہوگا کیونکہ من قبل ان یتماسا کی خلاف ورزی ہوئی ۔

روزوں کی استطاعت نہ ہو تو اطعام مساکین

فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۔ پھر جو آپس میں ہاتھ لگانے سے پیشتر دو مہینے تک مسلسل روزے نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینا چاہیئے ''۔ روزہ نہ رکھ سکنے کے اسباب مختلف ہیں۔ خواہ بڑھاپے کی وجہ سے یا کہنہ مرض کی بنا پر۔ یا سفر طویل کے باعث یا غلبہ شہوت کی وجہ صبر نہ کر سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے ۔ اگر کھانا کھلانا چاہے تو صبح و شام دو وقت کا کھانا، ساٹھ مسکینوں کو کھلائے خواہ یکدم ساٹھ کو کھلائے یا متفرق طور پر۔ اگر ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن تک صبح و شام کھانا کھلاتا رہے تو یہ بھی جائز ہے۔ یا ادن کو غلہ تقسیم کرے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر مسکین کو ایک ایک دن کا غلہ۔ روزانہ ایک صاع کے حساب سے دیدے۔ البتہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک گیہوں دینا ہے تو فی کس نصف صاع کافی ہے۔ اور تا ادائی زن و شو ایک دوسرے کو ہاتھ نہ لگائیں۔ اگر کوئی روزانہ ایک شخص کو غلہ دے رہا تھا یا کھانا کھلاتا رہا۔ اور ساٹھ دن کی تکمیل سے پیشتر جماع یا دواعی جماع کا مرتکب ہوا تو از سر نو اطعام کا سلسلہ شروع کرے۔

البتہ عند الاصناف اس صورت میں از سر نو سلسلہ آغاز کرنا واجب نہیں کیونکہ حکم اطعام میں من قبل ان یتماسا کی قید وارد نہیں ہوئی ہے۔

احکام کفارہ کی مصلحت | ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ کفارہ کا یہ حکم اور اس کی ایسی تفصیل کا منشا یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لاؤ جن کی بدولت زمانہ جاہلیت کی وہ سختی دور ہوئی جو ظہار کی وجہ سے دائمی تفریق کی صورت میں تھی۔ اور محض زبان سے ماں کہہ دینے پر حقیقی ماں کی طرح زوجہ کو حرام سمجھ لیا جاتا تھا۔ اور ایسا معتدل حکم دیا گیا کہ ایسی تشبیہ بالکل بے اثر بھی نہ رہنے پائے بلکہ بین بین صورت اختیار کی گئی جس میں حقیقت حال کو بھی اچھی حد تک ملحوظ رکھا گیا ہے۔

حدود اللہ کی تفسیر | وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ اور یہ احکام جو ظہار کی وجہ سے عارضی حرمت قائم ہونے اور کفارہ میں غلام آزاد کرنے، اس کے نہ ملنے پر روزے رکھنے اور اس کی بھی استطاعت نہ ہونے پر کھانا کھلانے کے دیے گئے ہیں یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ ان پر قائم رہو اور ان کی نگہداشت کرو۔ ان کو توڑنے یا اس سے تجاوز کرنے کی کوشش نہ کرو۔

کہ اس میں تمہارے دین اور دنیا کی بھلائی مضمر ہے۔ یہ کفارۂ ظہار کا بیان تھا

کفارۂ صوم کے احکام | روزہ رمضان کو بلا عذر توڑ دینا نہایت مذموم ہے

فقہائے احناف متفق ہیں کہ جو شخص رمضان شریف کا روزہ بلا عذر شرعی توڑ دے اوس کو بھی کفارۂ ظہار کی طرح کفارۂ صوم ادا کرنا ہوگا۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر الذی اتی اهله فی رمضان بکفارۃ الظھار ۔ (ابن مردویہ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو حکم فرمایا جو رمضان میں (بحالت صوم) اپنی بی بی سے ہم بستر ہوا تھا کہ کفارۂ ظہار ادا کرے۔" البتہ احناف و شوافع وحنابلہ میں یہ اختلاف ہے کہ یہ کفارہ کس صورت میں ادا کرے کیوں کہ روزہ توڑنے کی کئی صورتیں ہیں۔ عمداً کوئی چیز کھالے۔ یا پی لے یا جماع کرے۔ حضرت امام شافعیؒ اور ہمارے امام سیدنا امام احمد حنبلؒ کے ہاں صرف آخری صورت میں یعنی جب کہ کوئی جماع کرے ظہار کی طرح کفارہ دینا ہوگا۔ اور امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ روزے میں عمداً کھالے یا پی لے تو بھی اوس کو یہی کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۔ اور حد سے بڑھنے والوں کے لیے جو

نہ ان احکام پر عمل پیرا ہوں اور نہ ان کو قبول کریں دردناک عذاب ہے "

کافرین کی تفسیر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں کافرین سے منکرین مراد نہیں ہیں بلکہ حد سے تجاوز کرنے والے مراد ہیں جو ظہار کرنے کے بعد بھی بلا ادائے کفارہ اپنی بی بیوں سے تعلقات زن وشوئی جاری رکھتے ہیں اگرچہ اون کو کفارہ کے وجوب سے انکار نہیں ہے۔ بلکہ حکم کو حکم مانتے ہوئے بھی اوس کی خلاف ورزی کرتے ہیں حکم کی خلاف ورزی حقیقۃً کفر نہیں ہے لیکن زجراً اس کی تعبیر کفر سے فرمائی گئی ہے جیساکہ حدیث شریف میں ہے: من ترک الصلاۃ متعمّدا فقد کفر۔ جس نے عمداً نماز چھوڑ دی وہ کافر ہوگیا" مطلب یہ تارک صلاۃ اگرچہ حقیقت میں کافر نہیں بلکہ کفر کے قریب ہو چکا ہے گو حقیقت میں وہ فاسق ہے لیکن بطور زجر اس کو کافر کے لفظ سے یاد فرمایا گیا ہے تاکہ آئندہ ترک صلاۃ کا مرتکب نہ ہو۔ اور جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:- وللّٰہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللّٰہ غنیّ عن العالمین۔ لوگوں میں سے جو شخص بیت اللہ شریف کا حج کرنے کی استطاعت رکھتا ہے اُس کو حج بیت اللہ کرنا چاہیے۔ اور جو کافر ہو یعنی حج نہ کرے تو اللہ سارے عالمین سے بے پرواہ ہے" یہاں بھی کفر سے

حقیقی کفر مراد نہیں بلکہ زجراً ایسا فرمایا گیا ہے۔

رجوع بہ قصۂ اوس بن صامت رضؓ احادیث شریفہ میں آیا ہے کہ جب یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفارہ کے یہ احکام اوس بن صامت رضؓ کو سنائے۔ غلام آزاد کرنے کا حکم سُن کر اوسؓ نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! اذن یذھب جلّ مالی۔ اس صورت میں تقریباً میرا تمام مال (غلام کی خریدی میں) جاتا رہیگا۔" حضور کا ارشاد مبارک ہوا کہ پھر دو مہینے کے متواتر روزے رکھو تو عرض کیا۔ اذا لم آکل فی الیوم ثلاث مرّات کلّ بصری وخشیت ان تعشو عینی۔ اگر میں (ان کے چوبیس گھنٹوں) میں تین دفعہ نہ کھاؤں تو میری بصارت متاثر ہو جائے گی اور مجھے شب کوری پیدا ہونے کا خوف لگا ہوا ہے۔" اس پر آپ نے فرمایا پھر تو ساٹھ محتاجوں کو کھانا دینا ہوگا۔ اس پر عرض کیا:۔ لا الّا ان تعیننی علیہ۔ اس کی استطاعت بھی نہیں ہے مگر اس صورت میں کہ آپ اس بارے میں میری مدد فرمائیں۔" یہ حال دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پندرہ صاع یعنی نصف کفارہ کا غلہ مرحمت فرمایا اور اُن کے حق میں برکت کی دُعا فرمائی۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ یہ برکت اُن کے

خاندان میں پشت ہا پشت تک برقرار رہی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصلی اللہ علی النبی المبارک وسلم علیہ۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحَآدُّوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ کُبِتُوۡا کَمَا کُبِتَ الَّذِیۡنَ
مِنۡ قَبۡلِہِمۡ وَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ؕ وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ
--6 مُّہِیۡنٌ ۚ﴿۵﴾ یَوۡمَ یَبۡعَثُہُمُ اللّٰہُ جَمِیۡعًا فَیُنَبِّئُہُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا ؕ اَحۡصٰىہُ
اللّٰہُ وَ نَسُوۡہُ ؕ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ٪﴿۶﴾ جو لوگ کہ مخالفت کرتے
ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ خوار ہوئے جیسے کہ خوار ہوئے ہیں وہ
لوگ جو ان سے پہلے تھے اور ہم نے اتاری ہیں آیتیں بہت صاف، اور
منکروں کے واسطے عذاب ہے ذلت کا۔ جس دن کہ اٹھائیگا اللہ ان سب کو
پھر جتلائے گا ان کو ان کے کیے کام، اللہ نے وہ سب گن رکھے ہیں اور وہ
بھول گئے، اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔

یحادّون کی تفسیر | یُحَآدُّوۡنَ کی تفسیر میں مفسرین کرام کے حسب ذیل اقوال ہیں:۔

۱۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں:۔ یحادّون قال یشاقّون۔ (فریابی عبد بن حمید)

یُحَآدُّوۡنَ کے معنی یُشَآقُّوۡنَ کے ہیں یعنی خدا اور رسول نے جو شق اختیار

فرمائی ہے اُس کو چھوڑ کر جو لوگ اُس کے خلاف دوسری شق اختیار کرتے ہیں وہ اسی طرح ذلیل و خوار ہوں گے جیسا کہ ان سے پہلے زمانے کے لوگ ذلیل و خوار ہوئے تھے مثلاً عاد و ثمود وغیرہ۔

دوسری تفسیر قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ انّ الذین یحادّون اللہ ورسولہ قال یجادلون اللہ ورسولہ کبتوا کما کبت الذین من قبلھم قال خزوا کما خزی الذین من قبلھم۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم) جو لوگ اللہ و رسول کے ساتھ جدال کرتے ہیں وہ رسوا ہونگے جیسے کہ رسوا ہوئے وہ لوگ جو اُن سے پہلے تھے۔" یہ جدال خواہ زبانی ہو یا جنگ کی صورت میں۔ کیوں کہ یحادّون میں اس کی گنجایش ہے کہ اس کو حدید سے مشتق سمجھا جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ لوہے کا استعمال کرتے اور ہتھیار اُٹھاتے ہیں۔ یہ تفسیر قول اول کے خلاف نہیں ہے۔ کیوں کہ مخالفت کی آخری حد "جنگ و جدال" ہی ہوتی ہے۔ روح البیان میں ہے:۔ وقال بعضھم المحادّۃ مفاعلۃ من لفظ الحدید والمراد المقابلۃ بالحدید سوا کان فی ذلک حدید حقیقۃ او کان ذلک منازعۃ شدیدۃ شبیھۃ بالخصومۃ بالحدید۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ محادّہ بروزن

مفاعلہ ہے جو لفظ حدید سے لیا گیا ہے۔ لوہے کے ذریعے مقابلہ کرنا مراد ہے خواہ حقیقت میں لوہے کا استعمال کیا گیا ہو یا نزاع اتنی شدت اختیار کرلے کہ اب لوہے کا استعمال ہی باقی رہ گیا ہو"

تیسری تفسیر وقال بعضهم يحادون اى يضعون او يختارون حدودا غير حدودهما۔ بعض مفسرین کرام نے یوں فرمایا کہ یحادّون کا اشتقاق لفظِ حد سے ہے یعنی اللہ اور اُس کے رسول نے جو "حدود" مقرر فرمائے ہیں اور جن جرائم کی جو سزائیں تجویز فرمائی ہیں اُن کو چھوڑ کر اپنی طرف سے دوسری سزائیں تجویز کرتے ہیں" یہ سلطنتوں کی وہ مجالس قانون ساز ہیں جنھوں نے خدا اور رسول کے مقرر فرمودہ حدود کو تو پس پشت ڈال دیا۔ اور ان ہی جرائم کی دوسری سزا تجویز کی۔ یا خدا رسول کے دیے ہوئے احکام کے خلاف، من گھڑت احکام کا اجرا کیا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں لکھا ہے:۔

ففيه وعيد عظيم للملوك وامراء السوء الذين وضعوا امورا خلاف ماحدّه الشرع وسموها القانون ونحوه۔ اس تفسیر کی رو سے بادشاہوں اور امراء سوء کے حق میں یہ آیہ کریمہ بہت بڑی وعید ہے جو شرع شریف کی مقرر فرمائی ہوئی حد کے خلاف، دوسری چیزیں لاکر کھڑی کر دیتے ہیں اور

اُس کو قانون وغیرہ کا نام دیدیتے ہیں "

عرضِ فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ اس آیہ کریمہ میں حکومتوں اور دوالیان ممالک کے لیے زبردست تنبیہ ہے، اگرچہ ان لوگوں نے خدا اور رسول کے مقابلہ میں ہتھیار نہیں اُٹھایا لیکن زبان وقلم، دل ودماغ سے وہ کام لیا کہ ہتھیار کا مقابلہ بھی اس کے آگے ہیچ ہے۔ کیا یہ کہ نامزدگی یا انتخاب کے ذریعہ چند اشخاص کی ایک مجلس بنائی اور اس میں بعض وقت وہ باتیں طے کیں جو احکام خدا ورسول کے سرتا سر خلاف ہیں اور ان مخالف احکام کو ملک میں جاری کردیا اور ضلّوا واضلّوا کا پورے پورے مصداق ٹھہرے۔ نعوذ باللہ منہ۔ مجلس قانون ساز یا حکام سو اس پر اتراتے ہیں کہ بہت بڑا کارنامہ ہوا مگر اس پر غور نہ کیا کہ اللہ سبحانہ نے اپنے فضل وکرم سے جو حکومت ان کو دی تھی اس عطیہ الہٰی کی کچھ بھی قدر نہ کی بلکہ اپنے ہاتھوں اللہ سبحانہ کی عطا کو برباد کرلیا۔ حضرت سعدی فرماتے ہیں:۔

پادشاہے کہ طرحِ ظلم افگند پائے دیوارِ ملکِ خویش بکند

ارشاد باری تعالیٰ یُحَادُّونَ اللّٰہَ وَرَسُولَہٗ کے جو معنی بھی معانی مذکورہ سے لیے جائیں انجام اس کا یاد رکھنا چاہیئے:۔ کُبِتُوا کَمَا کُبِتَ الَّذِیْنَ

مِنۡ قَبۡلِهِمۡ۔ رسوا کیے جائیں گے جیسا کہ اُن سے پیشتر کے لوگ رسوا ہوئے۔ عاد و ثمود، اصحاب ایکہ، قوم لوط، وغیرہ کی طرف اشارہ ہے جن کا بیان بارہا ہو چکا ہے۔

استثناء البتہ قانون سازی ایسے امور کی بابت، جن کی تصریح احکام خدا و رسولؐ میں نہیں ہے اور ریاست اُس کی مقتضی ہو تو اور بات ہے مگر اُس میں بھی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عام ہدایات کو ملحوظ رکھا جانا چاہیے کیوں کہ کائنات میں حکومت صرف اللہ سبحانہ کی ہے اور عباد اللہ امانات الٰہیہ ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:۔ ان الحکم الا للہ۔ حکم صرف اللہ کا ہے، اللہ سبحانہ ہی حاکم علی الاطلاق ہے۔

آیات بینات کی تفسیر وَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ (خدا و رسولؐ کا مقابلہ کرنے والوں کی رسوائی جو مقرر ہے سابق میں بھی ایسی مثالیں گزر چکی ہیں اور آئندہ بھی پیش آئیں گی) یہ کھلی نشانیاں ہیں جو اُتاری گئی ہیں۔ حکومتوں کی ذلت و خواری اور اُن کی ایسی رسوائی کو دیکھ کر پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ سزا قدرت کی جانب سے محض اس بنا پر دی جا رہی ہے کہ ان حکومتوں نے خدا و رسولؐ کا مقابلہ کرنا چاہا تھا خواہ کسی صورت میں ہو اور اس کا یہ انجام

دکھایا جا رہا ہے۔

عذابِ مہین کی تفسیر وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۔ اور انکار کرنے والوں کو ذلت کی مار ہے۔" يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ۔ جس دن اللہ سبحانہ ان سب کو اُٹھائے گا تو اُن کو اُن تمام کاموں کی خبر دی جائے گی جن کو ان لوگوں نے کیا تھا۔ ان کا ایک ایک کام اللہ نے گن گن کر محفوظ رکھا ہے۔ (سارا دفتر سامنے رکھ دیا جائے گا) گویا اُن کو بھول گئے ہوں۔ ہر چیز اللہ سبحانہ کے سامنے ہے" نہ وہاں بھول چوک ہے اور نہ کوئی چیز اس کے علم سے غائب ہو سکتی ہے، ایک ایک چیز پیش کی جائیگی اور اس کی نسبت جواب لیا جائے گا۔ چوں کہ کوئی جواب لائق سماعت نہ ہوگا اس لیے ذلت کی مار پڑے گی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ٥ تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کو معلوم

ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، کہیں نہیں ہوتا مشورہ

تین کا جہاں وہ نہیں ہوتا اُن میں چوتھا، اور نہ پانچ کا جہاں وہ نہیں

ہوتا اُن میں چھٹا، اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ جہاں وہ نہیں ہوتا

اُن کے ساتھ، جہاں کہیں ہوں، پھر جتلا دے گا اُن کو جو کچھ اُنھوں نے

کیا قیامت کے دن، بے شک اللہ کو معلوم ہے ہر چیز۔"

شہودِ الٰہی کا ثبوت اوپر کی آیۃ کریمہ کا اختتام اس پر ہوا تھا:۔

وَاللہ علی کل شیئ شہید۔ اور ہر چیز اللہ سبحانہ کے سامنے ہے"۔ اب

اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ کیا تم کو خبر نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ

ہے اللہ سبحانہ کو سب معلوم ہے۔ یہ علم ہی اس کی دلیل ہے کہ ہر چیز اللہ پاک

کے سامنے ہے اوس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اگر کوئی چیز چھپی رہتی تو اوس کا

علم نہ ہو سکتا۔ نیز آیات سابقہ میں فینبئھم بما عملوا وارد ہوا تھا۔

کہ لوگوں نے جو جو کام یا افعال کیے تھے ان کی خبر اُن لوگوں کو دیگا۔ یہاں

یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ سبحانہ کو نہ صرف تمہارے اعمال و افعال کا علم ہے

بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اُس کو معلوم ہے۔ چنانچہ

کبھی تین آدمی جمع ہوکر کوئی صلاح ومشورہ کرتے ہیں تو یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہاں وہی تین ہیں بلکہ وہاں چوتھا بھی ضرور موجود ہے۔ کیوں کہ جو کچھ یہاں ہو رہا ہے اس پر علم الٰہی محیط ہے۔ اسی طرح مشورہ کرنے والے پانچ ہوں تو وہ اون کا چھٹا ہے۔ بلکہ تین سے کم اور پانچ سے زائد ہوں تو ان صورتوں میں بھی وہ ان کے ساتھ ہے۔

رازداروں کی تدابیر پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایسی خفیہ بات چیت کرنے والے کسی ایسی جگہ کی تلاش کرتے ہیں جہاں اُن کے سوا کوئی اور نہ آسکے ارباب اقتدار ایسی خاص صورتوں کے لیے جہاز میں سوار ہوکر نظروں سے دُور جاکے وسط سمندر میں جہاز ٹھہراکر باتیں کرتے ہیں کہ مبادا ان کی باتوں کا کسی کو علم ہوجائے مگر ارشاد ہو رہا ہے: ۔ أَيْنَمَا كَانُوا ۔ وہ کہیں بھی رہیں"، علم الٰہی سے باہر نہیں ہوسکتے۔ اس حالت میں بھی علم الٰہی اسی طرح محیط ہے جس طرح کسی دوسری جگہ تھا۔

شان نزول حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ۔ انّها نزلت فی ربیعة وحبیب ابن عمرو وصفوان بن امیّة کانوا یوما یتحدثون فقال احدهم اتری الله یعلم ما نقول فقال الآخر یعلم بعضاً وقال الثالث

ان کان یعلم بعضہ فھو یعلم کلہ - یہ آیہ کریمہ ربیعہ وحبیب فرزندان عمرو
اور صفوان بن امیہ کے باب میں نازل ہوئی - ہوا یہ کہ ایک دن وہ آپس میں
گفتگو کر رہے تھے - ایک نے کہا تمھارا کیا خیال ہے کہ اللہ کیا ہماری ان
باتوں کو جانتا ہے؟ دوسرے نے کہا بعض باتوں کو جانتا ہے - اس پر
تیسرے نے کہا جب بعض باتیں جانتا ہے تو وہ کل باتوں کو بھی جانتا ہے۔"
فقیر عرض کرتا ہے کہ اس تیسرے شخص کا جواب درست ہے کیوں کہ علم الٰہی
کسی واسطہ اور سبب کا محتاج نہیں - بغیر واسطہ اور سبب کے بعض کو جاننا
جب تسلیم ہے تو کل باتوں کو جاننے کی اس سے نفی نہیں ہو سکتی -

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ چند منافقین آپس میں کانا پھوسی کرنے کیلئے
حضور اکرم کے ساتھ چلتے چلتے پیچھے رہ گئے - ایک ٹکڑی تین کی اور دوسری
پانچ کی تھی اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی - ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں واقعات
قریب قریب وقوع میں آئے ہوں ان کے بعد اس کا نزول ہوا -

شوریٰ کے لئے عدد طاق کی وجہ بہر حال لوگوں کی عادت ہے کہ
مجلس شوریٰ میں کم از کم تین یا پانچ اشخاص شریک کیے جاتے ہیں کہ اگر کسی
امر میں دو رائیں ہو جائیں تو تیسرے یا پانچویں کی رائے سے غلبہ آرا ہو جائے۔

اگر شوریٰ میں زیادہ اشخاص شریک رہتے ہیں تو وہاں بھی مجلس کا عدد اسی مصلحت کے مدنظر طاق رکھا جاتا ہے۔

شوریٰ فاروقی کی توجیہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات کے وقت مجلس شوریٰ جو چھ اصحاب کی بنائی تھی وہ اس بنا پر تھی کہ ان میں سے خلافت کے لیے کسی ایک کو منتخب کرلیا جائے گا تو رائے دینے والوں کا عدد اسکے بعد طاق ہی رہے گا۔ اور تصفیہ آسان ہوگا۔ البتہ اگر دو فریق ہوکر دو کا انتخاب کریں تو اس کے لیے یہ تدبیر فرمائی کہ ابن عمرؓ کو صرف رائے دہی کیلئے مقرر کردیا اس شرط کے ساتھ کہ ان کو خلیفہ مقرر نہ کیا جائے گا۔

آیہ کریمہ کی جامعیت صورت حال جو بھی ہو۔ عدد طاق ہو یا جفت آیہ کریمہ کی جامعیت ایسی ہے کہ کوئی صورت اس سے خارج نہیں ہوسکتی۔ کیوں کہ ثلاثہ اور خمسہ پر ہی اس میں اکتفا نہیں فرمائی گئی بلکہ ارشاد ہوا ولا ادنیٰ من ذلك ولا اکثر الا ھو معھم۔ تین سے کم ہوں مثلاً دو ہوں یا پانچ سے زیادہ چھ ہوں یا سات یا اس سے بھی زیادہ۔ عدد طاق ہو یا جفت۔ پھر زاید عدد کی کوئی حد نہیں۔ حکومتوں کے ارکان شوریٰ کی تعداد سینکڑوں اشخاص پر مشتمل ہوتی ہے مگر خفیہ انجمنیں عموماً کم سے کم اشخاص کی

بنائی جاتی ہیں۔ کبھی دو آدمی ہی آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ بلکہ کبھی ایک آدمی اپنے میں آپ باتیں کرتا اور سوچتا ہے اس کو "حدیث نفس" کہتے ہیں۔ اللہ سبحانہٗ ان سب کو جانتا ہے۔

معیت الٰہی کا بیان پھر وہ بات اچھی ہو یا بُری۔ اللہ سبحانہٗ کی معیت وہاں بھی ہے۔ فرق اس قدر ہے کہ امر خیر ہے تو رضا و خوشنودی اور توفیق و تائید کے ساتھ ہے۔ اور اگر اس کے خلاف ہے تو ناراضگی اور بیزاری اور بازپرس و سزا دہی کے لیے۔ پھر اس معیت کی نوعیت کیا ہے؟ مفسّرین کرام نے اس کی معیت علمی سے تعبیر فرمائی ہے۔ بمصداق آیہ کریمہ اِنّ اللہ قد احاط بکلّ شیئٍ علما۔ اللہ سبحانہٗ کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے"۔

عارف رومیؒ فرماتے ہیں:ے

این معیت در نیاید عقل و ہوش ... زین معیت دم مزن بنشین خموش

قُربِ حق با بندہ دور است از قیاس ... بر قیاس خود منہ آں را اساس

امۃ محمدیہ کا اعزاز پھر امۃ محمدیہ علی صاحبہا الف الف سلام و تحیہ کی عزت افزائی اور قدر دانی قابل ملاحظہ ہے کہ اگر تین آدمی کوئی مشورہ یا سرگوشی کرتے ہوں تو وہاں ان کا چوتھا اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ہے، وہ پانچ ہوں تو حق

سبحانہ تعالیٰ اون کا چھٹا ہے یا اس سے کم و بیش ہوں تو بھی بہر حال وہ ان کے ساتھ ہے۔ یہ معیت عام امۃ کے لیے ہوئی خواہ امۃ دعوت ہو یا امۃ اجابت مگر ایسی ہی ایک صورت امم سابقہ میں اصحاب کہف کے لیے پیش آئی تھی جو ان کے منتخب افراد اور صالحین تھے۔ سورۂ کہف کی تفسیر حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمہ نے فرمادی ہے وہاں یہ ارشاد ہوا تھا۔ سیقولون ثلثۃ رابعھم کلبھم و یقولون خمسۃ و سادسھم کلبھم رجما بالغیب و یقولون سبعۃ و ثامنھم کلبھم۔ اب یہ لوگ کہیں گے کہ اصحاب کہف تین تھے چوتھا اون کا کتا تھا اور کہیں گے وہ پانچ تھے چھٹا اون کا کتا تھا یہ سب غائبانہ اٹکل کی باتیں ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ سات تھے آٹھواں اون کا کتا تھا۔" دونوں کا فرق اسی سے ظاہر ہے۔ اگر امت محمدیہ کی فضیلت اور کچھ بیان نہ فرمائی جاتی تب بھی یہی ایک فضیلت کیا کم تھی چہ جائیکہ خیر امت کا لقب مرحمت ہوا اور بیسیوں فضائل سے ممتاز فرمایا گیا، اب اس امت کی گردنیں شکر سے جھک جانی چاہئیں۔

شکرِ نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو

عذرِ تقصیراتِ ما چنداں کہ تقصیراتِ ما

ینبئھم بما عملوا کی تفسیر

ثُمَّ یُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا یَوْمَ الْقِیَامَةِ
پھر ان کو قیامت کے دن ان کے کیے ہوئے اعمال جتلا دیگا"۔ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ
شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔ یقیناً اللہ سبحانہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے"۔ اب امتہ مرحومہ
جو امت اجابت ہے کم از کم اس کو اس تشریف و امتیاز کی قدر کرنی چاہیے
کہ جو معیت الٰہی ان کو حاصل ہے وہ بہ طفیل سید الامۃ علیہ الصلاۃ والسلام
والرحمۃ حاصل ہوئی ہے، یہ کوشش رہے کہ یہ معیت رضا و خوشنودی انعام
واکرام کے لیے ہو۔ ورنہ اس نعمت عظمیٰ کی کمال ناقدری ہوگی فاعتبروا
یا اولی الابصار۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰی ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ
لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَیَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ
وَاِذَا جَآءُوْكَ حَیَّوْكَ بِمَا لَمْ یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَیَقُوْلُوْنَ
فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ
یَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ۝ کیا آپ نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جن کو
منع ہوئی سرگوشی، پھر وہی کرتے ہیں جو منع ہو چکا ہے، اور کان میں باتیں
کرتے ہیں گناہ کی اور زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی، اور جب آئیں

سورہ ۵۸ (ع ۲) آیت ۸

آپ کے پاس تو وہ دعا دیں جو دعا نہیں دی آپ کو اللہ نے، اور کہتے ہیں اپنے دل میں، کیوں نہیں عذاب دیتا ہم کو اللہ اس پر جو ہم کہتے ہیں، کافی ہے اُن کو دوزخ جس میں وہ داخل ہوں گے، سو وہ بری جگہ پہنچے۔"

کانا پھوسی کی ممانعت سورۂ نساء میں آگاہ فرما دیا گیا تھا:۔

لاخیر فی کثیر من نجوٰھم الا من امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس۔ اُن کے اکثر و بیشتر مشورے کچھ اچھے نہیں مگر جو کوئی کہے صدقہ کرنے کو یا نیک کام کو یا صلح کرانے کو لوگوں میں۔" غرض آپس میں کانا پھوسی کرنے کو عموماً منع کر دیا گیا تھا مگر یہود عموماً ایسا کرتے اور کہتے کہ اگر یہ سچے رسول ہیں تو ہم کو اللہ ایسا کرنے اور کہنے پر سزا کیوں نہیں دیتا؟

شان نزول مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں:۔ کان بین الیھود و بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم موادعۃ فکانوا اذا مر بھم رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلسوا یتناجون بینھم حتی یظن المومن انھم یتناجون بقتلہ او بما یکرہ المومن فاذا رأی المؤمن ذلک خشیھم فترک طریقہ علیھم فنھاھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم

عن النجوی فلم ینتھوا فانزل اللہ الم تر الی الذین نھوا عن النجوی۔ (ابن ابی حاتم) آں حضرتؐ اور یہود میں جب صلح تھی اس زمانے میں کوئی مسلمان وہاں سے گزرتا تو یہود آپس میں سرگوشیاں کرتے جس سے مسلمان کو یہ گمان ہوتا کہ وہ اس کے قتل یا آزار کا مشورہ کر رہے ہیں تو بے چارہ اس اندیشے سے اپنا راستہ بدل دیتا۔ اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔"

منافقین کا حال اسی طرح منافقین حضورؐ کی مجلس مبارک میں حاضر ہوتے تو چند اکٹھے ہو کر آپس میں سرگوشیاں کرتے، اہل مجلس کا مذاق اڑاتے عیب جینی کرتے، ایک دوسرے کے کان میں اس طرح باتیں کرتے اور آنکھوں سے اشارے کرتے جس سے مخلص مسلمانوں کو تکلیف ہوتی۔ حضور انورؐ کوئی حکم فرماتے تو یہ آپس میں کہتے کہ ایسا کس سے ہو سکتا ہے؟ باوصف ممانعت ان کی سرگوشیوں کا یہ سلسلہ جاری رہا تو اللہ سبحانہ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی۔ جس میں بتا دیا گیا کہ ممانعت کے باوجود جو لوگ ایسی سرگوشیاں کرتے ہیں جن میں گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی باتیں ہوتی ہیں تو وہ دن دور نہیں کہ ان سب کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔

یہود و منافقین کا طرز ملاقات یہود و منافقین کا ایک وتیرہ

یہ بھی تھا کہ جب وہ مجلس مبارک میں حاضر ہوتے تو ملاقات کا طریقہ جو السلام علیکم ہے اُس کی جگہ یوں کہتے :۔ السام علیك ۔ تجھے موت آئے ۔ یا تلوار گلے پہ چلے "۔ نعوذ باللہ منہ ۔ اللہ سبحانہ نے تحیۃ کے باب میں یوں ارشاد فرمایا ہے :۔ سلامٌ قولاً من ربٍّ رحیم مہربان پروردگار کی جانب سے سلام کہا جائے گا یعنی سلامتی کا پیام دیا جائے گا "۔ سلامٌ علی المرسلین رسولوں پر سلام ہو "۔ صلّوا علیه وسلّموا تسلیما ۔ حضور اکرم پر اے ایمان والو! درود وسلام بھیجتے رہو "۔ مگر یہود و منافقین کا طرز عمل اِس کے خلاف تھا ۔ چنانچہ ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں :۔ دخل علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یھود فقالوا السام علیك یا ابا القاسم فقالت عائشۃ علیکم السام واللعنۃ ...... فانزل اللّٰہ واذا جاءوك حیّوك بما لم یحیّك بہ اللّٰہ ۔ (عبد بن حمید، عبد الرزاق، سعید بن منصور، بخاری، مسلم، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بیہقی) حضور انور کی خدمت مبارک میں ایک دفعہ یہود آئے اور السام علیك یا ابا القاسم کہا ۔ عائشہ رضؓ نے جواباً فرمایا ۔ علیکم السام واللعنۃ ۔ موت تم کو آئے اور تمہارے گلے پر تلوار چلے "۔ اُس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی کہ یہ جب آپ کی خدمۃ مبارک میں

حاضر ہوتے ہیں تو تحیت کا وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جو اللہ سبحانہ کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف ہے۔" اسی حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عائشہؓ کا یہود کو اس طرح جواب دینا پسند نہ آیا۔ آپ نے فرمایا:۔ یا عائشۃ انّ اللہ لا یحبّ الفحش ولا التفحش۔ عائشہ! بدکلامی یا اس پر اتر آنا اللہ کو پسند نہیں۔" انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان لوگوں نے کیا کہا آپ نے سماعت نہیں فرمایا؟ تو ارشاد ہوا کہ میرا جواب تم نے نہیں سنا؟ میں نے صرف اتنا کہہ دیا علیکم۔ یعنی جو چیز تم ہم پر پیش کر رہے ہو وہ تمھیں پر پڑے۔" سبحان اللہ کیا خُلق عظیم تھا صلی اللہ علیہ وسلم۔

غیر مسلم کے سلام کا جواب فقہائے کرام نے یہیں سے یہ مسئلہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر غیر مسلم کسی مسلمان کو سلام کرے تو مسلمان کو چاہیئے کہ جواب میں صرف علیك کہے۔ اگر سلام کرنے والے کئی اشخاص ہوں تو علیکم کہنا چاہیئے۔ اس لئے کہ لفظ سلام کو بغیر کسی تبدیل و تغیر کے کہا ہو تو اور اگر اس کو بدل کر سلام کی جگہ سام کہا ہو تو ہر دو صورتوں میں علیك کہہ دینا کافی ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ جو چیز تم ہمارے لئے چاہتے ہو

وہ سلام ہو یا سام وہ تم پر ہو۔ و علیک واؤ کی زیادتی کے ساتھ نہ کہے کیونکہ سام کہنے کی صورت میں و علیک کہنے کے معنی یوں ہوں گے کہ اور تم پر بھی موت یا تلوار کی مار پڑے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم پر بھی تمھارے کہنے کے مطابق مار ہو اور تم پر بھی۔ لہٰذا بغیر واؤ کے صرف علیک کہنا چاہیئے۔ باضافہ واؤ و علیک نہ کہنا چاہیئے۔ حدیث شریف کی بعض روایات میں و علیک جو مروی ہے وہ راویوں کی بےغوری کا نتیجہ ہے۔ جس طرح السلام علیکم کا جواب و علیکم السلام دیتے ہیں اس پر قیاس کرکے یہاں بھی باضافہ واؤ و علیک کی روایت کردی۔ جو خلاف تحقیق ہے۔ واللہ اعلم۔

(۵۸ - آیت ۹) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا
بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا
بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝

اے ایمان والو! جب تم کان میں بات کرو تو مت کرو بات گناہ کی، اور زیادتی کی، اور رسول کی نافرمانی کی اور بات کرو احسان کی اور پرہیزگاری کی اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم کو جمع ہونا ہے

آداب مجلس آداب مجلس کی تعلیم دی جارہی ہے کہ جہاں کوئی مجلس منعقد ہوتی ہے تو حاضرین مجلس کو چاہئے کہ جس امر کے لئے مجلس کا انعقاد ہوا ہے اس کی طرف متوجہ رہیں۔ یہ نہیں کہ ان میں سے چند آدمی ایک جگہ جمع ہو کر کانا پھوسی کرتے رہیں۔ ایسا طرزِ عمل نہ صرف آدابِ مجلس کے خلاف ہے بلکہ اس سے انعقادِ مجلس کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت ہو رہی ہو تو سامعین کا کام یہ ہے کہ خاموش سنتے رہیں۔ نہ یہ کہ آپس میں باتیں کرتے رہیں۔ ارشاد باری ہے:۔ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ اور جب قرآن پاک پڑھا جائے تو کانوں سے اس کو سنتے جاؤ اور آنکھوں سے اوس کی طرف متوجہ رہو۔" خطبہ کی بابت حدیث شریف میں آیا ہے:۔ اذا خرج الامام فلا صلاۃ ولا کلام جب (خطبہ دینے کے لئے) امام برآمد ہو جائے تو اب نہ کسی نماز کا موقع ہے اور نہ کسی گفتگو کا۔" یہاں تک کہ دوران خطبہ میں اگر کوئی بات کرے تو اوس کو زبان سے ٹوک دینا بھی منع ہے۔ حدیث شریف ہے:۔

من قال لغيره والامام يخطب لغوت فقد لغا۔ جس نے دوران خطبہ میں دوسرے کو (باتیں کرتا دیکھ کر) ٹوک دیا کہ تم لغو کام کر رہے ہو تو

خود یہ بھی لغویت کا مرتکب ہوا۔ البتہ اشارہ سے روک سکتے ہیں۔

مجلس میں سرگوشی کی ممانعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:۔ اذا کنتم ثلاثۃ فلا یتناج اثنان دون ثالث فان ذالک یحزنہ۔ (بخاری مسلم۔ ابن مردویہ عن ابن مسعودؓ) تین آدمی (ہی کسی مجلس میں) ہوں تو تیسرے کو چھوڑ کر دو شخص کانا پھوسی نہ کریں۔ اس سے تیسرے کو دکھ ہوتا ہے۔"

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں:۔ کنا نتناوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطرقہ امر او یأمر بشیئ فکثر اھل النوب والمحتسبون لیلۃ حتی اذا کنا نتحدث فخرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اللیل فقال ماھذہ النجوی الم تنھوا عن النجوی۔ (ابن مردویہ) ہم اس خیال سے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رات میں کچھ کام پڑے گا یا آپ کوئی حکم صادر فرمائیں گے باری باری سے حاضر خدمت رہا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک رات باری والے نگرانی کرنے والے زیادہ جمع ہوگئے۔ اور باہم سرگوشی کرنے لگے۔ اتنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برآمد ہو کر فرمانے لگے کہ یہ کیا کانا پھوسی ہو رہی ہے کیا تم کو اس طرح

سرگوشیاں کرنے سے منع نہیں کیا گیا؟"

سرگوشی کی حقیقت | بہرحال "سرگوشی" فی نفسہٖ بُری نہیں بلکہ اس کی بُرائی اور بھلائی لغیرہٖ ہے۔ کسی گناہ، زیادتی اور نافرمانی خدا و رسول میں ہو رہی ہے تو بُری ہے۔ امور مذکورہ خدا و رسول کی ناراضی کے موجب ہیں لہٰذا اس سے بچنا چاہیئے۔ ناراضی کے اسباب میں حصہ لینا کفار اور منافقین کا کام ہے۔ مومن کیلئے سزاوار نہیں۔ اور اگر اس کا تعلق نیکی اور تقویٰ کے باب سے ہے تو اس میں کسی نوع کی برائی نہیں بلکہ اس کا حکم دیا گیا ہے جیساکہ وتناجوا بالبرّ والتقویٰ کے ارشاد صریح سے ظاہر ہے۔ مگر مجلس میں سے چند آدمیوں کا ایسا عمل مناسب نہیں چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ (۵۸ : ۱۰)
شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ○ کانا پھوسی شیطان ہی کا کام ہے تاکہ ایمان والوں کو دلگیر کرے اور وہ اُن کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا بدوں حکم اللہ کے، اور چاہیئے کہ ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔"

سرگوشی کی ایک مثال مثلاً تین آدمی کسی مجلس میں ہوں۔ اس حالت میں اگر دو آدمی ایک دوسرے کے کان میں کچھ باتیں کرنے لگیں تو تیسرے کو عادۃً یہ خیال ہوگا کہ میں نے ایسا کیا کام کیا کہ یہ دونوں مجھ سے الگ ہوکر آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ ارشاد باری ہو رہا ہے کہ اُن سے یہ کام شیطان کرا رہا ہے مگر مسلمانوں کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جب تک کوئی بات خداوند تعالیٰ شانہ نہ چاہے شیطان کسی کو کیا ضرر پہنچا سکتا ہے؟ اُس کے ہاتھ میں ہے کیا جو وہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکے۔ اب مومن کے لئے صرف یہی صورت رہ جاتی ہے کہ وہ اللہ پر بھروسہ رکھے اور کسی سے نہ ڈرے۔ نہ شیطان کچھ ضرر پہنچا سکتا ہے اور نہ اس کی ایسی کانا پھوسی۔ جب مومن کو توکل علی اللہ کی عادت ہو جائے تو اس کا جملہ حزن وغم دور ہو جائے گا۔ آگے ارشاد ہے:

(آیت ۱۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَإِذَا قِيلَ انشُزُوا فَانشُزُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ اے ایمان والو! جب کوئی تم کو کہے کہ کھل کر بیٹھو مجلسوں میں تو کھل کر بیٹھو مجلسوں میں اور جب کہا جائے کہ اُٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے

ہوجاؤ اللہ بلند کرے گا اُن کو جو ایمان رکھتے ہیں' اور جن کو علم دیا گیا ہے ان کو (بلند کریگا) کئی درجے' اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو"۔

شانِ نزول مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ جمعہ کے دن اتری۔ ہوا یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفّہ میں تشریف فرما تھے (جہاں طالبانِ علوم ٹھہرے رہتے تھے) عادت شریفہ تھی کہ اصحابِ بدرؓ اور انصار کی عزت افزائی فرمائی جاتی تھی۔ پہلے سے لوگ مجلس مبارک میں موجود تھے جگہ تنگ تھی اتنے میں چند اصحابؓ اور بھی حاضر ہوگئے۔ جگہ نہ ہونے سے حضور کو سلام عرض کرکے کھڑے ہوگئے۔ آپ نے جواب سلام ادا فرمایا۔ پھر اونھوں نے حاضرینِ مجلس کو سلام کیا۔ حاضرین نے بھی جواب سلام دیا مگر اپنی جگہ سے کوئی نہ ہٹا۔ اصحاب بدر کھڑے کے کھڑے رہ گئے منتظر تھے کہ بیٹھے ہوئے لوگ جگہ دیں تو خود بھی بیٹھیں لیکن اس کا موقع نہ مل سکا آپ کو یہ صورت حال ناگوار گزری تو جو لوگ پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے اون میں سے چند اشخاص کو ایک ایک کرکے فرمایا کہ کھڑے ہوجائیں۔ جب وہ کھڑے ہوگئے تو آنے والوں کے لئے جگہ نکل آئی پھر سب بیٹھ گئے مگر منافقین کو یہ پسند نہ آیا۔ اس وقت یہ آیہ کریمہ اتری"۔

مجلس کے مزید آداب مجلس کا ادب یہ سکھایا جا رہا ہے کہ لوگ پھیل کر نہ بیٹھا کریں۔ جگہ موجود ہے اور لوگ کم ہوں تو اس میں بھی مضائقہ نہیں لیکن جب لوگ زیادہ ہوں تو اس طرح پھیل کر نہ بیٹھنا چاہیے' آنے والوں کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ ان کو کھڑے رہنا پڑتا ہے۔ یہ آداب مجلس کے خلاف ہے اس صورت میں چاہیے کہ ذرا ذرا ہٹ کر جگہ نکالیں تاکہ دوسرے بھی بیٹھ سکیں۔ اگر صدر مجلس ذرا ذرا ہٹنے کی فرمائش کرے تو ہٹنا چاہیے اور حلقہ وسیع بنا لینا چاہیے تاکہ دوسرے بھی بیٹھ سکیں اور اگر کھڑے ہو جانے کے لئے کہا جائے تو کھڑے ہو جانا چاہیے اس سے جگہ نکل آئے گی۔ پھر سب بیٹھ جائیں۔ یہاں تک کہ صدر مجلس اگر کسی کو وہاں سے چلے جانے اور کسی کام پر روانہ ہونے کا حکم دے تو اس کی تعمیل واجب ہوگی۔ اس پر برا ماننا یا ناک بھوں چڑھانا ہرگز نہ چاہیے۔ اس سے مجلس کا نظم و ضبط قائم رہتا اور قوم کا وقار بلند ہوتا ہے اس کے برخلاف کوئی برا مانے تو اس سے مجلس میں انتشار پیدا ہوتا اور پوری قوم کا وقار متاثر ہوتا ہے۔

سرگوشی نہ کرنے کے مواقع یہ حکم ہر قسم کی مجلس سے متعلق ہے خواہ وہ خطبہ یا وعظ ہو یا مجلس شوریٰ' یا صف نماز ہو یا صف جنگ' سب کیلئے عام ہے۔

بہرحال اسلام نظم و ضبط سکھاتا ہے۔ بے ترتیبی اور بے آئینی کو پسند نہیں کرتا۔ مجالس میں اس کا خیال بھی رکھا جانا چاہئے کہ مراتب و مدارج ملحوظ رہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: لیلنی اولوا الاحلام منکم۔ تم میں جو عقلمند اور دانا ہوں وہ مجھ سے نزدیک رہا کریں"۔ تاکہ حضور کے ارشادات عالیہ سے وہ پوری طرح استفادہ کر سکیں اور دوسروں کو مستفید کریں۔ اگر اہل علم اور سمجھ دار لوگ ہی امام وقت یا صدر سے دور رہوں تو عوام کا نزدیک رہنا کچھ سود مند نہ ہوگا۔

اہل علم کی قدر افزائی ایک جمعہ میں حضور سید الخطباء سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کسی قدر تاخیر سے حاضر ہوئے حضور نے ارشاد فرمایا:۔ اُدْنُ یا ابن مسعود۔ ابن مسعود! نزدیک آؤ۔ وہ ڈرتے ڈرتے آگے بڑھنے لگے۔ چند قدم بڑھتے اور ٹھہر جاتے۔ مگر آپ بار بار یہی فرماتے رہے۔ تاآں کہ وہ صف اول میں اپنی جگہ پر پہنچ گئے۔ پھر فرمایا سنتیں پڑھی ہیں؟ عرض کیا نہیں۔ ارشاد ہوا کہ پڑھ لو۔ ان کے سنتیں پڑھنے تک آپ نے خطبہ ملتوی فرمایا۔ یہ سب اس لئے تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمائے صحابہ سے تھے۔ اور

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک ہی میں فتوے دیا کرتے تھے ایسے اصحاب کے نزدیک رہنے میں عوام ہی کا فائدہ متصور رہے۔

اہل علم کا اعزاز منافقین کی عادت یہ تھی کہ مجلس میں کسی کو جگہ دینے یا کھڑے ہو جانے یا چلے جانے کے حکم پر آپس میں اشارے کرنے لگتے کہ یہ کیا طریقہ ہے؟ ان احمقوں کو اتنا بھی معلوم نہ تھا:۔ ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔ اہل علم اور بے علم دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔" علم نور ہے اور جہل تاریکی۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اہل علم ہر وقت اعزاز و اکرام کے مستحق ہیں۔ ان کے ساتھ ان کی شان کے مطابق برتاؤ ہونا چاہیئے۔ اس سے دوسروں کو تحصیل علم کی ترغیب ہوتی ہے۔ علم اور اہل علم کی توقیر سے عوام کا فائدہ ہے۔ پھر ایسی خاص خاص صورتیں شاذ و نادر ہی درپیش ہوتی ہیں۔ جو مستثنیات میں شمار کی جانے کے قابل ہیں۔

ایک فقیر و غنی کا واقعہ ایک دفعہ ایک نادار صحابی مسجد میں آئے اور ایک مال دار شخص کے بازو بیٹھ گئے۔ مال دار نے فوراً اپنے کپڑے سمیٹ لئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس مالدار سے ارشاد فرمایا:۔ اخشیت ان یعدیہ غناك و یعدیك فقرہ۔ کیا تجھے یہ اندیشہ ہو گیا کہ تیری تونگری

اس کو پہنچ جائے گی اور اس کا افلاس تجھے لگ جائے گا؟" جو اس کے بیٹھتے ہی تو نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے۔ مقصد یہ تھا کہ انسان کو تواضع کی صفت اختیار کرنی چاہیے۔ من تواضع للہ رفعہ اللہ۔ جو اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ سبحانہ اس کا درجہ بلند فرماتا ہے۔ اور تکبر محرومی کا سبب ہے اس سے بچنا چاہیے۔

یفسح اللہ کی تفسیر یفسح اللہ لکم کے ذریعہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ اگر تم وسعت قلبی سے کام لیکر دوسرے کو جگہ دو گے تو اللہ سبحانہ تمہارے ساتھ بھی وسعت فضل و کرم سے کام لے گا۔ تم کو دوسرے جگہ دیں گے تمہارے مکان اور مال میں بھی وسعت ہو گی۔ تمہارے دل میں وسعت پیدا ہو گی۔ یہی وسعت حیات دنیا، عالم برزخ، اور عالم آخرت میں نصیب ہو گی۔ تنگدلی سے کام لوگے تو مبادا کہ ان مواقع میں تمہارے ساتھ بھی یہی سلوک ہو۔ کیونکہ جزائے اعمال، جنس اعمال سے ہی دی جاتی ہے۔ جیسا کرو گے ایسا ہی پاؤ گے۔

فانشزوا کی تفسیر واذا قیل انشزوا فانشزوا یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجت۔ اور جب اٹھ کھڑے ہونے کے لئے کہا جائے تو فوراً کھڑے ہو جایا کرو (بظاہر تم کو اس نشست و برخاست میں

کچھ ذلت اور ناقدری محسوس ہوتی ہوگی مگر حقیقت میں یہ تمہارے اعزاز کا باعث ہے) اس تعمیل حکم کی بدولت اللہ سبحانہ اہل ایمان کا درجہ بلند فرماتا ہے اور اگر ایسا حکم اہل علم کو دیا جائے اور وہ فوراً امتثال امر کریں تو ان کی رفعت شان کا کیا کہنا' ان کے تو کئی درجے بلند ہو جاتے ہیں''۔ کیوں کہ امتثال امر اور تواضع یہ ایسے صفات ہیں کہ جہاں کہیں پائے جائیں اپنا مفید اثر دکھائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اہل علم میں یہ صفات بطور خاص مطلوب ہیں :۔

تواضع ز گردن فرازاں نکوست گدا گر تواضع کند خوئے اوست

یا یہ کہ اہل علم کے درجات اللہ سبحانہ کے ہاں ان کے علم و فضل کے لحاظ سے بڑھے ہوئے ہیں لہٰذا مجلس میں اگر وہ تشریف لائیں تو ان کو جگہ دیا کرو اس میں علماء کی نہ صرف تعظیم و توقیر ہے بلکہ صدر مجلس سے ان کے قریب رہنے میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ اگر ان کو جگہ دو گے تو تمہارا اعزاز بھی بڑھیگا۔ اور ان کے تقرب کا فائدہ بھی تم کو پہنچیگا۔

ایک نکتہ | یہاں مجلس میں اُٹھ کھڑے ہونے کا حکم تو خاص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے اس لئے موقع اور محل تو اس کا مقتضی تھا کہ

واذا قال الرسول انشزوا فانشزوا کہا جاتا کہ جب رسول فرمائیں کہ اٹھو کھڑے ہو تو کھڑے ہو جایا کرو"۔ لیکن اگر ایسا ارشاد ہوتا تو بادی النظر میں یہ سمجھ لیا جاتا کہ صرف حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی یہ حکم مخصوص ہے درحالیکہ منشائے الٰہی یہ تھا کہ اس حکم کو عام رکھا جائے اسلئے بجائے قال فعل معروف کے قیل فعل مجہول کے ساتھ ارشاد ہوا جس کا مطلب یہ ہوا کہ حکم دینے والے حضور اکرمؐ ہوں یا آپ کے جانشین و نائبین یا صدر مجلس وغیرہ ان میں سے جو بھی حکم دیں اون کے حکم کی تعمیل کی جائے تو اللہ سبحانہ تعمیل کنندگان کا درجہ بلند فرمائے گا۔ اور اہل علم اصحاب کی شان اور ان کی ترقی درجات کا کیا پوچھنا کہ ان کے مدارج و مراتب بے شمار بڑھے ہوئے ہیں۔ ان کو جگہ دینے کے لئے اُٹھ کر اپنا درجہ بڑھاتے ہو۔

علماء کی منقبت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ـ ماخص اللہ العلمآء فی شیئ من القرآن ماخصھم فی ھذہ الآیۃ فضل اللہ الذین آمنوا واوتوا العلم علی الذین آمنوا ولم یؤتوا العلم۔ (ابن المنذر) علمائے کرام کی خصوصی شان کو جتنا کہ اس آیہ کریمہ میں نمایاں جگہ دی گئی ہے قرآن کریم میں کسی دوسری جگہ ان کی ایسی تخصیص واضح

طور پر بیان نہیں فرمائی گئی کہ اللہ سبحانہ نے ایمان اور علم دونوں دولتیں رکھنے والوں کو اُن تمام لوگوں پر فضیلت بخشی جو صرف دولت ایمان تو رکھتے ہیں لیکن دولت علم نہیں رکھتے "۔ حضرت ابن عباسؓ نے بھی آیہ کریمہ کی تفسیر یہی فرمائی ہے کہ یرفع اللّٰہ الذین اوتوا العلم من المومنین علی الذین لم یوتوا العلم درجات۔ (ابن المنذر، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی) اہل ایمان میں جو اہل علم ہیں ان کے درجات ان کے مقابلہ میں جو علم نہیں رکھتے بہت بلند و بالا ہیں "۔

بما تعملون خبیر کی تفسیر

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔

اور اللہ سبحانہ کو تمھارے اُن تمام اعمال کی جو تم کرتے ہو پوری طرح خبر ہے "۔ یعنی یہ کہ تم کون ہو، کس طبقہ سے تعلق رکھتے ہو، کہاں رہتے ہو کن اوصاف سے موصوف ہو؟ نیز یہ کہ کیا کر رہے ہو، اور جو کچھ کرتے ہو اوس کی کیفیت کیا ہے؟ ایا خلوص کے ساتھ کر رہے ہو، یا بادل ناخواستہ صرف دکھانے سنانے کے لئے کر رہے ہو۔ اور کتنا کام انجام دے رہے ہو تھوڑا یا بہت، سب کچھ معلوم ہے۔ کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ لہذا کام کی جزا بھی اسی مناسبت اور علم کے اعتبار سے دی جائے گی۔

اب تم جانو اور تمہارا کام :

رفعتِ آدمی بہ علم بود ہر کرا علم بیش رفعت بیش
قیمتِ ہر کسے بہ دانش اوست سازد افزوں بعلم قیمتِ خویش

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا (۵۸-۱۲ آیت)
بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ
فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ اے ایمان والو!
جب تم کان میں بات کہنا چاہو رسول سے تو آگے بھیجو اپنی بات کہنے سے
پہلے خیرات، یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اور بہت ستھرا، اگر نہ پاؤ تو اللہ
بخشنے والا مہربان ہے۔

شانِ نزول مقاتلؒ کہتے ہیں :- ان الاغنیاء کانوا یاتون النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیکثرون مناجاتہ و یغلبون الفقراء علی المجالس حتی کرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم طول جلوسھم و مناجاتھم فامر اللہ بالصدقۃ عند المناجاۃ فامّا اھل العسرۃ فلم یجدوا شیئا وکان ذلک عشر لیال واما اھل المیسرۃ فمنع بعضھم مالہ وحبس نفسہ الا طوائف منھم جعلوا یقدّمون

الصدقة بین یدی النجوی۔ (ابن ابی حاتم) مال دار لوگ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوکر کثرت سے سرگوشیاں کرتے اور ناداروں کی نشستوں پر بھی قبضہ جما لیتے تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ایسی بیٹھک اور سرگوشیاں ناپسند ہونے لگیں تو (اس آیہ کریمہ کے ذریعہ) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے سرگوشی سے قبل خیرات کا حکم صادر فرمایا۔ اب جو تنگ دست تھے وہ تصدق کے لئے کچھ نہ پاتے اور جو مال دار تھے ان میں سے بعض مال کے خرچ ہو جانے کے اندیشہ سے رک گئے مگر ان میں ایسے بھی تھے جو سرگوشی سے قبل خیرات کرتے تھے۔"

مولائے کائنات کی منقبت حضرت مولائے کائنات فرماتے ہیں:۔

ان فی کتاب اللہ لآیة ما عمل بها احد قبلی ولا یعمل بها احد بعدی آیة النجوی..... کان عندی دینار فبعته بعشرة دراهم فکنت کلما ناجیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدمت بین یدی درهما ثم نسخت فلم یعمل بها احد۔ (سعید بن منصور، ابن راہویہ، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، حاکم بروایت صحیحہ) کتاب اللہ میں ایک آیہ کریمہ ہے جس پر مجھ سے پیشتر کسی نے عمل نہ کیا اور میرے بعد بھی

کوئی عمل نہ کرسکیگا وہی آیت نجویٰ ہے۔ اس کے نزول کے وقت میرے ہاں ایک دینار تھا اس کو میں نے دس درم میں فروخت کردیا۔ اور جب کبھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کرتا تو اس کے قبل ایک درم (خیرات کے لئے) پیش کردیتا۔ پھر یہ آیہ کریمہ منسوخ ہوگئی اب اس پر عمل کرنے کا کسی کے لئے موقع نہیں رہا۔"

مولائے کائناتؑ کا احسان حضرت مولائے کائناتؑ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:۔ ماتریٰ دیناراً قلت لا یطیقونہ قال فنصف دینار قلت لا یطیقونہ قال فکم قلت شعیرۃ قال انک لزھید قال فنزلت ءاشفقتم الایۃ قال فبی خفف اللہ عن ھذہ الامۃ۔ (ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ترمذی بروایت حسن، ابو یعلیٰ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ، نحاس) جس صدقہ یا خیرات کے لئے حکم الٰہی ہوا ہے اس کی مقدار آپ کی رائے میں کیا ہونی چاہیے۔ ایک دینار؟ میں نے عرض کیا کہ یہ لوگ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ ارشاد ہوا کیا نصف دینار؟ میں نے معروضہ کیا کہ اس کی بھی مقدور نہیں رکھتے۔ ارشاد

مبارک ہوا پھر کیا مقدار ہونی چاہیے؟ میں عرض پرداز ہوا ایک جو یعنی جو برابر سونا۔ فرمایا آپ تو بہت نادار ہیں (گویا خود پر قیاس کرکے دوسروں پر بھی شفقت کرتے ہیں)۔ پھر آیہ کریمہ اشفقتم الی آخرھا نازل ہوئی۔ بہر حال میری وجہ سے اللہ سبحانہ نے اس امتہ مرحومہ پر تخفیف فرمائی" کہ یہ حکم اٹھا لیا گیا۔

ابن عمرؓ کی عقیدت | حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے:۔ کان لعلی رضی اللہ عنہ ثلاث لو کانت لی واحدۃ منھن کانت احب الی من حمر النعم۔ علی رضی اللہ عنہ میں تین خصوصیات جمع تھیں اگر ان میں سے مجھے ایک بھی میسر ہوتی تو وہ میرے نزدیک سرخ اونٹ سے بھی زیادہ محبوب ہوتی" از انجملہ اس آیہ نجویٰ کا ذکر بھی فرماتے۔

عرض فقیر | فقیر عرض کرتا ہے کہ اغنیا میں بعض منافقین یہود بھی تھے جو اپنی شان بتانے کے لئے سید العٰلمین صلوات اللہ علیہ وسلامہ کے پاس گھس کر گھنٹوں سرگوشیاں کرتے جس سے ایک طرف نادار صحابہ کرامؓ کو عرض معروض کا موقع نہ ملتا اور دوسری طرف حضور اقدسؐ کو تکلیف ہوتی مگر باوصف تکلیف خلق مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی خاطر شکنی نہ فرماتے۔ جس پر

یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی ۔ اس کے مضمرات یہ تھے کہ حقیقی ضرورت مند ہی سرگوشی کریں مثلاً کوئی مسئلہ دریافت کرنا یا خواب کی تعبیر لینی یا کوئی ہدایت یا مشورہ حاصل کرتا ہو۔ دوسروں کو یہی شرف تکلم نصیب ہو۔ مالدار خیرات پر مائل ہوں اُن کا بخل جاتا رہے اور ناداروں کا کام نکلے ۔ سب سے بڑھکر یہ کہ حضور اکرمؐ کو تکلیف نہ ہونے پائے ۔

چنانچہ اس پر مخلص صحابہ کرامؓ تو خوشی خوشی تعمیل حکم کرنے لگے مگر منافقین جو اکثر مالدار تھے اور حد درجہ بخیل و حریص ۔ ان کی آمد رک گئی ۔

حکومت الٰہیہ کی عظمت سلطنتوں میں بھی عموماً ایسے انتظامات ہیں کہ درخواستوں کی کثرت کو روکنے کے بہانے سے رسوم لیا جاتا ہے ۔ مچلکے ضمانت طلب کی جاتی ہے ۔ کنٹ داروں سے دھروت لی جاتی ہے اور خدا جانے کس کس ڈھنگ سے توفیر آمدنی کی راہیں نکالی جاتی ہیں ۔ مگر کجا حکم الٰہی اور کہاں یہ دنیوی سلطنتیں ۔ حکم الٰہی تو خیر خیرات کی حد تک تھا کوئی مقدار مقرر ہونے تک نہ پائی کہ دس دن کے اندر اندر احکام پر خط تنسیخ کھینچ دیا گیا۔ مگر دنیا کی حکومتیں ہیں کہ مذکورہ ذرائع سے رقوم حاصل کر کے آمدنی کی مستقل صورتیں قائم کی ہوئی ہیں اور پوری رقم جمع خزانہ ہوتی ہے ۔ ناداروں کو

حبۂ سیاہ تک ملنے نہیں پاتا بلکہ تحصیل رقم کی نت نئی صورتیں ایجاد ہوتی ہیں۔

آیہ نجویٰ کی تنسیخ بہرحال اس کے بعد یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی:۔۔۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ع

کیا تم ڈر گئے کہ آگے بھیجا کرو تمھاری سرگوشیوں سے پہلے خیراتیں سو جب تم نے نہ کیا اور اللہ نے تم کو معاف کر دیا تو اب قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور حکم پر چلو اللہ کے اور اس کے رسول کے اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔"

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ نسختها الآية التي بعدها ءاشفقتم ان تقدموا بين يدي نجواكم صدقٰت (ابوداؤد، ابن المنذر) آیۂ نجویٰ کو اس کی بعد والی آیۂ کریمہ ءاشفقتم نے منسوخ کر دیا۔" یہاں صَدَقٰتٍ بصیغہ جمع مخاطبین کی کثرت کی بنا پر ارشاد ہوا ہے ورنہ حکم تو ہر شخص کو ایک ہی خیرات کا ہوا تھا مگر اس پر بھی

عام طور پر عملدرآمد ہونے کی نوبت نہ آسکی جیسا کہ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا سے
معلوم ہوا کہ تم اس پر عمل نہ کر سکے ۔ مطلب یہ کہ یہ ایک موقت حکم تھا جس سے
سرگوشی کرنے والوں کی تنبیہ مقصود تھی ۔ جب یہ مقصد حاصل ہو چکا اور
لوگ بے ضرورت سرگوشی کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
تضیع اوقات اور تکلیف دہی سے باز آگئے تو حکم ہوا کہ یہ وقتی حکم
اٹھا لیا جاتا ہے اب تم اُن احکام کی تعمیل میں لگے رہو جو کبھی منسوخ ہونے والے
نہیں مثلاً نماز کو قائم رکھنا جو عبادات بدنیہ میں افضل ترین عبادت
ہے ۔ اور زکواۃ دیتے رہنا جو عبادات مالیہ میں اعلیٰ ترین عبادت
ہے ۔ نیز خدا اور رسول کے احکام پر چلتے رہنا جو ایک جامع مانع ہدایت
ہے ۔ اگر تم اس پر عامل رہو گے تو اسی سے تزکیہ نفس ہو جائیگا جیسا کہ
صدقہ وخیرات سے ہوتا تھا ۔ جاریہ احکام کی تعمیل اور اس پر پابندی
تم کس طرح کرتے رہو گے ہم کو اس کی پوری طرح خبر ہے ۔

--1 اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ (۵۸ – ۲ – ۱۴)
مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

کیا آپ نے نہ دیکھا اُن کو جو دوست بنے ہیں اس قوم کے جن پر اللہ کا

غضب ہے۔ نہ وہ تم میں ہیں اور نہ اُن میں، اور قسمیں کھاتے ہیں جھوٹ بات پر جانتے ہوئے۔

غضب اللہ علیہم کی تفسیر ابن جریج فرماتے ہیں:۔ ھم الیھود والمنافقون و یحلفون علی الکذب وھم یعلمون حلفھم انھم منکم۔ (ابن المنذر) یہ یہود اور منافقین ہیں جو جھوٹی باتوں پر قسمیں کھایا کرتے تھے درحالیکہ ان کو علم تھا کہ یہ بات جھوٹ ہے (پھر بھی اسپر قسمیں کھاتے) ان کی قسمیں یہی ہوتی تھیں کہ وہ تم میں (یعنی مسلمان مخلصین میں) شامل ہیں۔" ان منافقین کا حال یہ تھا کہ مسلمانوں میں آکر کلمہ پڑھتے، نماز و ل میں شریک رہتے، حضور انورؐ کے مواعظ سنتے، جہاد میں تک شریک ہوتے۔ با ایں ہمہ ان کی دوستی ایسی جماعت سے تھی جن پر اللہ کا غضب ہے یعنی یہودیوں کے ساتھ دل سے ملے ہوئے تھے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ ماھم منکم ولا منھم۔ نہ تو وہ اے مسلمانو! تم میں شامل ہیں کیونکہ ان کے دل یہودیوں کی طرف مائل ہیں اور نہ وہ اُن یہودیوں میں شریک ہیں کیوں کہ ان کی نشست و برخاست مسلمانوں کے ساتھ ہے اور ان کا کلمہ پڑھتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ان کی نسبت آیا ہے۔ لآ الی

هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ۔ نہ وہ اِن میں شامل اور نہ اُن میں شریک۔"
اپنی اس بین بین حالت کا علم ان کو اچھی طرح ہے پھر بھی قسمیں کھا کھا کر یاور
کراتے ہیں کہ وہ تم میں شامل ہیں۔

15 اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا
16 يَعْمَلُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان کے لئے سخت
عذاب یقیناً وہ برا کام کر رہے ہیں، بنائے ہوئے ہیں یہ اپنی قسموں کو
ڈھال، پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے، اس لئے ان کے واسطے ہے
ذلّت کی مار۔"

منافقین کی قسمیں ان کی اس دورخی کو ہر فریق دیکھتا اور ان سے پوچھتا ہے کہ اگر تم ہمارے ساتھ شامل ہو تو تمھاری آمد و رفت دوسروں کی طرف کیوں ہے؟ تو ہر ایک کو قسمیں کھا کھا کر باور کراتے ہیں کہ نہیں۔ ہم آپ ہی کے ساتھ ہیں۔ ان کی قسمیں کیا ہیں۔ چوری کو چھپانے کی ڈھال ہے۔ اگر کوئی راہ راست پر آنا چاہتا ہے اور مسلمان ہونے کا قصد رکھتا ہے تو یہ اس کا راستہ روکتے ہیں اور ایسی ایسی تقریریں اس کے سامنے کرتے ہیں کہ وہ اپنے

(۵۸ (آیت) ۱۵، ۱۶)

ارادے سے باز آجائے۔ ایسے مفسدین کو آخرت میں ذلت کی مار اور دنیا میں پھٹکار کے سوا اور کیا سزا ہو سکتی ہے۔ بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ عذابٌ شدیدٌ سے عذاب قبر اور عذابٌ مھینٌ سے عذاب آخرت مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

منافقین کی سزا اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان منافقین کے لئے جو عذاب شدید تیار کر رکھا ہے اگرچہ وہ کسی کو یہاں نظر نہیں آتا لیکن موجب عذاب خود ان کا نفاق ہے جس کو ہر کوئی دیکھتا ہے۔ چونکہ دار آخرت کی بنیاد اسی دار دنیا پر قائم کی گئی ہے اس لئے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہاں جو کچھ کیا جائے گا اسی کا نتیجہ دار آخرت میں سامنے آئے گا۔ اس اصول کے مدنظر عام طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جب یہاں اخلاص کے ساتھ نہیں بلکہ نفاق سے کام لیا گیا تو نفاق کی جزا جو عذاب شدید کی صورت میں مہیا کی گئی ہے وہی در پیش ہوگی۔ یہی ارشاد ہو رہا ہے۔

لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَآ أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْـًٔا ۚ أُولَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ۝ کام آئینگے

ان کو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے ہاں کچھ بھی وہ ہیں دوزخ میں

(۱۷) ۵۸

رہنے والے وہ اسی میں پڑے رہیں گے ۔"

مال و اولاد ناقابلِ اعتماد | منافقین کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر یقین نہ تھا۔ یوں کہتے کہ دارِ آخرت سے متعلق انکی جتنی باتیں ہیں وہ سب کہنے کی ہیں حقیقت کچھ نہیں ۔ ولو بالفرض ان کی باتیں درست نکلیں اور ہم ان کے کہنے کے مطابق گرفتار عذاب ہوئے بھی تو وہاں مال دے دلاکر چھوٹ جائیں گے یا ہماری اتنی اولاد ہے اور ہماری ایسی اکثریت ہے ۔ کیا یہ اولاد اور اکثریت ہماری مدد کو نہ آئیگی؟ ایک خدا کس کس کا مقابلہ کرے گا؟ کسی نہ کسی طرح ہم کو چھڑا لیا جائے گا ۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ وہاں نہ ان کے مال کچھ کام آئیں گے اور نہ انکی اولاد یہ اپنی بداعتقادی اور بدعملی کے باعث دوزخ کے مستحق قرار پا چکے ہیں پس اُسی میں پڑے رہیں گے ۔ اور طرح طرح کے عذاب چکھیں گے ۔

18 يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ (۵۸:۱۸)
وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ جس دن جمع
کرے گا اللہ ان سب کو پھر قسمیں کھائیں گے اس کے آگے جیسے قسمیں کھاتے
ہیں تمہارے آگے اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ کچھ بھلی راہ پر ہیں سن رکھے

وہی ہیں محض جھوٹے "

شانِ نزول حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :- کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالسا فی ظل حجرۃ من حجرہ وعندہ نفر من المسلمین فقال انہ سیأتیکم انسان فینظر الیکم بعین شیطان فاذا جاء کم فلا تکلموہ فلم یلبثوا ان طلع علیہم رجل ازرق اعور فقال حین رأہ علام تشتمنی انت واصحابک فقال ذرنی آتک بہم فانطلق فدعاھم فحلفوا واعتذروا فانزل اللہ یوم یبعثھم اللہ الایۃ ۔ (امام احمدؒ، بزار، طبرانی، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، حاکم بروایت صحیح، بیہقی) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرات مبارکہ میں سے ایک حجرہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے اور مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ ارشاد فرمایا کہ اب ایک شخص آئیگا جو تم کو شیطان کی آنکھ سے دیکھتا ہوگا۔ وہ آجائے تو اس سے بات نہ کرنا۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں ایک کانا، نیلی آنکھ والا نمودار ہوا۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ عبداللہ بن نبتل نامی یہودی تھا۔ کوتاہ قامت۔ حضور انور نے اس سے فرمایا کہ تو اور تیرے ساتھی کس لئے ہم کو برائی سے

یاد کرتے ہیں؟ اس نے (انکار کیا کہ ہم نے کبھی آپ کو برائی سے یاد نہیں کیا اور) کہا کہ مجھے موقع دیجئے۔ میں ان کو بلا لاتا ہوں۔ چنانچہ وہ جا کر انھیں بلا لایا۔ وہ سب کے سب قسمیں کھا کھا کر انکار و اعتذار کرنے لگے۔ اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی کہ (ان کا انکار و اعتذار یہیں پر کیا موقوف ہے) جس دن اللہ سبحانہ ان کو دوبارہ اٹھائے گا' یہ سب اس کے آگے بھی ایسی ہی قسمیں کھائیں گے جیسی قسمیں یہاں تمھارے سامنے کھا رہے ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ان کا یہ وتیرہ (دنیا کی طرح آخرت میں بھی) کارآمد ہے سن رکھئے کہ وہ جھوٹے اور محض جھوٹے ہیں۔"

کافر اور منافق کا موازنہ یہیں سے کفار و مشرکین کے کفر کے مقابلہ میں منافقین کا کفر شدید تر ہونا معلوم ہو رہا ہے کہ قیامت میں کفار و مشرکین جب اٹھائے جائیں گے تو وہاں حقیقت حال کا مشاہدہ کر کے وہ اپنے کفر و شرک پر نادم ہوں گے اور بہانہ تراشی سے کام لیں گے۔ جیسا کہ متعدد آیات کریمہ میں ان کے مختلف جوابات اور عذرات بیان ہوئے ہیں کہ کبھی اپنے کفر و شرک سے انکار کریں گے۔ کبھی ایک دوسرے پر الزام دینے کی کوشش کریں گے۔ کبھی درخواست کریں گے کہ ہم کو دوبارہ دنیا میں

بھیج دیجئے۔ اب کی بار ہم نیک کام کرکے آئیں گے لیکن منافقین کی آنکھوں اور دل و دماغ پر عالم آخرت بلکہ رب العٰلمین کے حضور میں بھی گمراہی کا پردہ پڑا ہوگا۔ وہاں بھی ان کا پندار یہی ہوگا کہ جس طرح جھوٹی قسمیں کھاکر لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کی کوشش دنیا میں کرتے تھے اور کسی نہ کسی طرح لوگوں کی دار و گیر سے چھوٹ جاتے تھے۔ آخرت میں بھی رب العٰلمین کے آگے جھوٹی قسمیں کھائیں گے تاکہ عذاب سے چھوٹ جائیں مگر وہاں ایک نہ چلے گی' سزا یاب ہوکر رہیں گے۔ سزا بھی کیسی؟ جرم کے مطابق۔ انّ المنافقین فی الدرك الاسفل من النار۔ بے شک منافقین' دوزخ کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوں گے" اس سے ظاہر ہے کہ منافقین کی سزا بھی کفار و مشرکین کی سزا سے سخت ترین ہوگی۔ اعاذنا اللہ منہا۔ آخر اس کا سبب کیا ہے؟ ارشاد ہے :-

اِسْتَحْوَذَ[1] عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِؕ اُولٰٓئِكَ
حِزْبُ الشَّيْطٰنِؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ ۵۸ (پ ۲۸ - آ ۱۹)

[1] الحَوذ ان یتبع السائق حاذیی البعیر ای ادبار فخذیہ فیعنف
فی سوقہ یقال حاذ الابل یحوذھا ای ساقھا سوقا عنیفا و قولہ استحوذ

چھا گیا ہے اُن پر شیطان، پھر بھلادی اُن کو اللہ کی یاد، وہ لوگ ہیں لشکر شیطان کا، سن رکھو جو شیطان کا لشکر ہے وہی نامراد ہے۔"

حزب الشیطان کا خسران مطلب یہ ہے کہ ان منافقین پر شیطان سوار ہے، وہ جس طرف چاہتا ہے ان کو لئے پھرتا ہے شیطان کا غلبہ ان پر اس درجہ ہے کہ وہ اس کے حکم سے سرتابی نہیں کرسکتے۔ اب اللہ کا ذکر کہاں؟ نہ تو اس کو زبان پر لاسکتے ہیں اور نہ دل میں اس کی یاد باقی ہے۔ شیطانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

علیھم الشیطان استاقہم مستولیا علیہم او من قولھم استحوذ العیر علی الاتان ای استولی علی حاذیھا ای جانبی ظھرھا۔ (مفردات) حاذہ یحوذہ حوذا احاطہ و استحوذ علیہ استحواذا غلب و استولی (المحیط) ساربان کا اونٹ کے پیچھے رہ کر اس کو تیز چلانا "حوذ" کہلاتا ہے اس لحاظ سے استحوذ علیھم الشیطان کے معنی ہوئے کہ شیطان ان پر غالب ہو کر تیزی سے ہانک رہا ہے۔ یا استحوذ ماخوذ ہے محاورہ عرب استحوذ العیر علی الاتان سے کہ نر اونٹ مادہ پر قابو پالیا۔" حاذہ کے معنی ہیں اس کو گھیر لیا اور استحوذ علیہ کہتے ہیں اس وقت جب کہ کسی چیز پر غالب آیا اور چھا گیا ہو۔"

رعایا اور شیطانی فوج بنے ہوئے اس کی گردش چشم اور اشارۂ ابرو پر رات دن کام کر رہے ہیں ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی تابعداری سے چھوٹ نہیں سکتے۔ جب ان پر شیطان کا تسلط اس طرح ہو چکا اور یہ شیطانی فوج قرار پا چکے تو کیا کوئی خیال کر سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے مقابلہ میں کبھی کامیاب ہو سکتے ہیں؟ ہر گز نہیں۔ ناکامی اور نامرادی ان پر ڈال دی گئی۔ اب یہ کہیں کے نہ رہے۔

حزب الشیطان کون ہے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے:-

ما من ثلاثة فی قریة ولا بد ولا تقام فیهم الصلاة الا قد استحوذ علیهم الشیطان فعلیکم بالجماعة فانما یاکل الذئب القاصیة۔ (ابوداؤد، نسائی، حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ) کسی بستی میں تین آدمی ہوتے ہیں اور لازمی ہوں گے پھر ان میں جماعت نماز قائم نہیں ہوتی تو شیطان کا ان پر تسلط ہو جاتا ہے لہذا جماعت کا اہتمام کرو کیوں کہ بھیڑیا اسی بکری کو اٹھا لے جاتا ہے جو گلہ سے بچھڑ گئی ہو۔ مقام غور ہے کہ مخلص مسلمان، بے جماعت، تنہا نماز پڑھنے والوں پر شیطان کا قابو اس طرح چل سکتا ہو تو منافقین جن کا قلب و زبان یاد خدا سے یکسر غافل ہو ان پر کیا تسلط ہو گا؟

حزب الشیطان کی پہچان بزرگان دین فرماتے ہیں غلبۂ شیطان کا نشان یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہر حال کی آراستگی میں لگا ہوا ہو۔ اچھا کھانے' اچھا پہننے کی دھن میں ہو۔ اس کا دل' اللہ سبحانہ کی نعمتوں اور کرشمہ ہائے قدرت پر غور کرنے کی طرف مائل نہ ہو۔ نہ اس کو ادائے شکر کی توفیق ہو۔ زبان ذکر الٰہی کی جگہ جھوٹ' غیبت' بہتان تراشی میں لگی ہو۔ کان' سمع حق کے عوض' خرافات و لہویات کے سننے کے عادی ہو گئے ہوں' اسی طرح آنکھ' ہاتھ' پاؤں اپنا اصل کام چھوڑ کر باطل میں حصہ لے رہے ہوں' اب اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف اس کا میلان ہو تو کس طرح؟ اور حق سبحانہ تعالیٰ اس پر نظر لطف فرمائے تو کیونکر؟

نظر دوست نا در کند سوئے تو
چو در روئے دشمن بود روئے تو

ندانی کہ کمتر نہد دوست پائے
چو بیند کہ دشمن بود در سرائے

8-2 اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي
8-2 الْاَذَلِّيْنَ ۝ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ جو لوگ خلاف کرتے ہیں اللہ کا اور اس کے رسول کا
وہ لوگ ہیں سب سے بے قدر لوگوں میں' اللہ لکھ چکا کہ میں غالب ہونگا

اور میرے رسول بے شک اللہ زور آور ہے زبردست ''۔

مخالفین اسلام کی ذلت ''یُحَادُّوْنَ'' کی تفسیر اوپر کی آیات کریمہ میں گزر چکی ہے خلاف کرتے ہیں' حد سے گزرتے ہیں' خدا و رسول کے مقرر کردہ حدود کو چھوڑ کر اپنی طرف سے حدود مقرر کرتے ہیں' یا خدا اور رسول کے مقابلہ میں حدید (لوہے) کا استعمال کرتے یعنی ہتھیار اٹھاتے اور جنگ کرتے ہیں۔ یہ سب معانی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جو لوگ اس طرح خدا اور رسول کا خلاف کرتے ہیں یا تو اس بنا پر کہ ان کے پاس مال و دولت زیادہ ہے یا یہ کہ ان کی تعداد اور مردم شماری بڑھی ہوئی ہے یا یہ دونوں باتیں جمع ہیں وہ یاد رکھیں کہ وہ عزت نہیں پا سکتے بلکہ خلاف کرنے والے ہی سب سے ذلیل تر ہیں۔ ذلیل ہو کر رہیں گے اللہ سبحانہ کا فیصلہ' روز اول ہی ہو چکا ہے کہ انجام کار عزت و غلبہ' خدا و رسول ہی کو حاصل ہوگا اس لئے کہ اللہ سبحانہ قوی و عزیز ہے۔ اس کی قوت کے آگے ساری قوتیں' پامال اور ہیچ ہیں' اور اس کی عزت کے سامنے سب ذلیل و خوار ہیں۔

اہل اسلام کی عزت و برتری کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی کی تفسیر میں

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں :- کتب اللہ کتاباً فامضاہ۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فیصلہ صادر فرمایا پھر اسکو نافذ فرمادیا"۔

حکمے کہ آں زبارگہ کبریا بود کس را دراں مجال تصرف کجا بود

اب خداوند تعالیٰ شانہ کا فیصلہ تاقیام قیامت نافذ ہے۔ کس کی مجال ہے کہ اس کو روک سکے۔

ماضی پر ایک نظر امم سابقہ کی تاریخ پڑھو اور گزشتہ واقعات پر نظر ڈالو تو بآسانی معلوم ہوگا کہ ماضی میں کن کن قوموں اور کون کون سلطنتوں نے خدا و رسول کا خلاف کیا اور جس جس طریقہ سے خلاف کیا عاد ہوں یا ثمود فرعون ہو یا نمرود آخر الامر نتیجہ کیا ہوا؟ لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب۔ ان کے واقعات اور قصص کیا ہیں ارباب دانش وبینش کے لئے درس عبرت ہیں"۔ دور حاضر والوں کو شکر گزار ہونا چاہئے کہ ان کو پیشتر زمانہ میں اللہ سبحانہ نے پیدا نہیں کیا۔ ورنہ کیا معلوم کہ یہی لوگ بعد والوں کے لئے افسانہ عبرت قرار پاتے۔ بلکہ ہم کو ان سب کے بعد صفحہ ہستی پر لا کھڑا کیا تاکہ سابقین کے احوال سے سبق حاصل کرکے اپنی حالت درست کریں۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب | بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ سبحانہ قوی و عزیز ہے اور لاغلبن انا و رسلی کا فیصلہ نافذ ہو چکا ہے اور تا قیامت نافذ ہے تو خدا اور رسول کے ماننے والے انہزام و شکست سے بھی دو چار ہوئے ہیں پھر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غلبہ دو طرح ہے۔ ایک حجت و دلیل کے ذریعہ۔ اور دوسرا تیغ و سناں یا توپ و تفنگ کے ذریعہ۔ قسم اول یعنی حجت و دلیل کے ذریعہ غلبہ تو ہمیشہ اللہ والوں کو حاصل ہے کیوں کہ وہ حق کے قائل ہیں۔ باطل کے طرف دار کبھی نہیں رہے جتنے پیغمبر دنیا میں تشریف لائے اور جتنی کتابیں ان پر نازل ہوئیں ان میں سچی باتیں لکھی ہیں اور پیغمبروں نے ان ہی سچی باتوں کی تعلیم دی۔ سچا بول ہی ہمیشہ غالب ہوتا ہے۔ مثل مشہور ہے "سانچ کو آنچ نہیں اور باطل کو فروغ نہیں"۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام جو سچا دین ہے اس کی کتابیں مغربی اقوام پڑھ رہی ہیں اور اپنی مشکلات کا حل ان میں تلاش کر رہی ہیں اور بقدر کوشش ان کو کامیابی ہو رہی ہے۔ خواہ وہ قرآن کریم ہو یا حدیث شریف، فقہ ہو یا اصول فقہ، علم اعتقادیات ہو یا اخلاق، تصوف ہو یا عرفان، مگر عناد و حسد جو ان کو مسلمانوں کے ساتھ ہے

اس وجہ سے ایمان نہیں لاتے مگر دل سے قائل ہیں تصدیق کرتے ہیں اور بعض اوقات بے ساختہ اس کا اقرار بھی زبان وقلم سے کرتے رہتے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ان کی یہ تصدیق واقرار جزوی اور محدود طور پر ہے یومنون ببعض الکتاب ویکفرون ببعض کا مصداق ہے جو بات ان کی سمجھ میں آگئی اس کی تصدیق کی اور اقرار کرلیا اور جو سمجھ میں نہ آئی اس کا انکار کیا اور بسا اوقات جان بوجھ کر بھی محض عناد وحسد کی بنا پر انکاری رہے۔ اس وجہ سے کہ ان کو خدا ورسول پر ایمان نہیں۔ نہ وہ قرآن کریم کو اللہ کی کتاب سمجھتے ہیں۔ با ایں ہمہ ان کی تصدیق واقرار کا دائرہ یوماً فیوماً وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے اور انشاء اللہ وہ دن دور نہیں کہ ان پر حقیقت حال کھل جائے گی اور وہ اسلام کی آغوش میں پناہ لیں گے۔ وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ۔ قرآن کریم کی پیشین گوئی ہے جو لا ریب پوری ہو کر رہیگی کہ "اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں رہیگا جو مرنے سے پہلے اس پر ایمان نہ لایا ہو" اور جب تک ایسا نہ ہو قیامت قائم نہ ہوگی۔

رہی غلبہ کی دوسری قسم یعنی تیغ وسنان یا توپ وتفنگ کا غلبہ

اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام میں بعض وہ حضرات تھے جن کو جہاد فی سبیل اللہ کے احکام نہیں ملے تھے۔ ان کے عہد میں قوموں نے تکذیب کی تو سنتِ اللہ ان پر رات عذاب نازل ہوا اور پیغمبروں اور ان کے ماننے والوں کو بچا لیا گیا۔ اس طرح اہل اللہ ہی غالب رہے۔ بعض انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام وہ ہیں جن کو احکام ملے اور ان حضرات کو اس ذریعہ سے بھی غلبہ و برتری بخشی گئی۔ کتاب المغازی اس کی شاہد عدل ہے۔ رہا مسلمانوں کا وہ دور جس میں احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیا گیا تو نتیجہ وہ رہا جو ایسی صورت حال کا لازمہ تھا۔ کیوں کہ ارشاد الٰہی ہے:۔
ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم۔ اگر تم اللہ سبحانہ کی مدد کرو یعنی اس کے احکام کو بجا لاؤ تو اللہ سبحانہ بھی تمھاری مدد فرمائے گا اور تمھارے قدم جما دے گا۔" ظاہر ہے کہ یہ اسی صورت میں ہے کہ اول مسلمانوں کے قدم صراط مستقیم پر جمے رہیں۔ بغیر اس کے فتح و نصرت کی امید قبل از وقت ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اللہ سبحانہ نے حیات دنیا کو دار العمل اور امتحان گاہ بنایا ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ ونبلوکم بالشر والخیر فتنہ

ہم شر اور خیر کے ذریعہ تمہارا امتحان و آزمایش کرتے رہتے ہیں" خیر و شر" دونوں بھی ہمارے امتحان کے مضامین ہیں۔ دونوں مضامین میں کامیابی دیکھی جائے گی۔ کبھی شر میں مبتلا کرکے، کبھی خیر کا سلوک کرکے۔ کامیاب وہی ہے جو دونوں پرچوں میں کامیاب اترے۔ اگر کامیابی بغیر ابتلاء کے دے دی جایا کرے تو امتحان باقی نہ رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی خدا اور رسول کے ماننے والوں کو بھی انہزام و شکست کی صورت دکھائی جاتی ہے تاکہ اُن میں کسی قسم کا پندار نہ پیدا ہو اور ان کی توجہ خدا اور رسول کی طرف سے ہٹنے نہ پائے۔ آخر الامر ان کی کامیابی مقرر ہے جلد یا بدیر۔ مایوسی کا یہاں گزر نہیں۔ مایوسی کفر ہے :

محال است چوں دوست دارد ترا
کہ در دستِ دشمن گزارد ترا

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا
اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ
اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ
بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ
اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ع

(۲۲ - ۱ - ۵۸) ع ۳ ۹/۳

آپ نہ پائیں گے کسی قوم کو جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر اور پچھلے
دن پر کہ دوستی کیا کریں ایسوں سے جو مخالف ہوئے اللہ کے اور
اس کے رسول کے، خواہ وہ اپنے باپ ہوں یا اپنے بیٹے یا اپنے
بھائی ہوں یا اپنے گھرانے کے، ان کے دلوں میں اللہ نے لکھ دیا ہے
ایمان اور ان کی مدد کی ہے اپنے غیب کے فیض سے، اور داخل کریگا
ان کو باغوں میں، جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں، ہمیشہ رہیں اُن میں
اللہ اُن سے راضی، اور وہ اُس سے راضی، وہ لوگ ہیں لشکر اللہ کا
سنتے ہو جو لشکر ہے اللہ کا وہی مراد کو پہنچے ۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں ایمان کامل کا درس دینا منظور فرمایا ہے کہ مومنین کاملین وہی ہیں جن کو اللہ سبحانہ اور پچھلے دن (یعنی روز قیامت) پر ایمان ہو تو اس درجہ ہونا چاہیے کہ ان کو خدا و رسولؐ کی رضا و خوشنودی محبوب تر ہو اس کی بڑی نشانی یہ ہے کہ جو خدا و رسولؐ کے مخالف ہوں خواہ وہ ماں باپ ہوں یا اولاد، بھائی بہن ہوں یا گھرانے والے، ان سے خدا و رسولؐ کے خلاف دوستی نہ رہے۔ ان سے دوستی نہ رہنا محض اس بنا پر کہ وہ خدا و رسولؐ کے مخالف ہیں۔ خدا و رسولؐ کا دشمن، پھر اُس سے دوستی، یہ مومن کا کام نہیں۔ تصور یہ ہونا چاہیے کہ جو خدا و رسولؐ کا دشمن، وہ ہمارا بھی دشمن ہے۔ اسی طرح جو خدا و رسولؐ کا دوست، وہ ہمارا بھی دوست، جب یہ صفت حاصل ہو تو وہ مومن کامل ہے۔

حب فی اللہ و بغض فی اللہ موجب ولایت ہے

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:- احب فی اللہ وابغض فی اللہ وعاد فی اللہ ووال فی اللہ فانما تنال ولایۃ اللہ بذلک ثم قرأ لا تجد قوما الآیہ۔ (ابن ابی شیبہ، حکیم ترمذی، ابن ابی حاتم) دوستی محض اللہ کے باب میں ہو اور بغض بھی محض اللہ کے بارے میں ہو۔ دشمنی بھی اللہ کے معاملہ میں ہو اور محبت بھی اللہ ہی کے امر میں ہو۔ اسی سے اللہ سبحانہ کی ولایت تم کو حاصل ہو سکتی ہے۔

پھر اس کے استشہاد میں اس آیہ کریمہ لاتجد قوما کی آپ نے تلاوت فرمائی"۔
بہرحال حب فی اللہ اور بغض فی اللہ جو اولیاء اللہ کی خاص صفت ہے
اس کی طرف اس آیہ کریمہ میں ایما فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت براء بن
عازب رضؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اوثق
عری الایمان الحب فی اللہ والبغض فی اللہ۔ (ابوداؤد طیالسی ابن
ابی شیبہ) ایمان کی مضبوط تر دستاویز حب فی اللہ اور بغض فی اللہ ہے"۔

اولیاء سے حب فی اللہ کا سوال ہوگا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ فرماتے
ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اوحی اللہ الی نبیّ
من الانبیآء ان قل لفلان العابد امّا زھدك فی الدنیا فتعجّلت
راحة نفسك وامّا انقطاعك الیّ فتعززت بی فماذا عملت فی مالی
علیك قال یا ربّ ومالك علیّ قال ھل والیت لی ولیّا وعادیت
لی عدوّا۔ (ابونعیم) اللہ سبحانہ نے انبیائے سابقین میں سے ایک نبی اللہ
کے ہاں وحی بھیجی کہ فلاں عابد سے کہئے کہ تم نے دنیا میں جو زہد اختیار کیا
وہ راحت نفس تھی جس کو تم نے دنیا ہی میں حاصل کیا۔ اور تمہارا میری طرف
رجوع ہونا ہمارے نام سے عزت حاصل کرنے کے لئے تھا لیکن تم پر ہمارا جو حق تھا

اس کو کیسے ادا کیا؟ عابد نے عرض کیا۔ پروردگار! آپ کا کونسا حق مجھ پر تھا؟ تو ارشادِ باری ہوا۔ کیا ہمارے کسی دوست سے تم نے دوستی کی اور ہمارے کسی دشمن کو اپنا دشمن بھی تصور کیا؟" گویا اولیاء اللہ سے حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کے باب میں بھی سوال ہوگا۔

فاجر کا احسان نہ لو حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے:۔ اللّٰھم لا تجعل لفاجر عندی یدا ولا نعمۃ فیودہ قلبی فانی وجدت فیما اوحی الیّ لا تجد قوما یؤمنون باللہ ورسولہ یوادون من حاد اللہ ورسولہ۔ (دیلمی)

الٰہی! کسی بدکار کا مجھ پر کوئی احسان یا منت نہ رکھیو جس سے میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہو۔ کیونکہ جو وحی مجھ پر بھیجی گئی ہے اس میں یہ ہے کہ جو لوگ اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں وہ خدا اور رسول کا خلاف کرنے والوں کو کبھی دوست نہیں رکھ سکتے"۔ مطلب یہ کہ احسان سے دوستی پیدا ہوتی ہے جب کسی کافر، بدکار کا کچھ احسان ہی نہ ہو تو اس کی دوستی پیدا نہ ہوگی۔ اور منشائے الٰہی پورا ہوگا۔

خیر القرون کے نمونے خیر القرون کے واقعات پڑھو تو ان کی سبق آموز

زندگی پر روشنی پڑے گی۔ مختصراً چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں کہ ان بزرگوں نے خدا و رسول کے مقابلہ میں کس طرح اپنے رشتوں، ناطوں کو قربان کرکے محبت خدا و رسول کا ثبوت پیش کیا۔ اور اللہ سبحانہ نے ان کی کیسی قدرافزائی فرمائی؟

ولو کانوا آباءھم کی تفسیر عملی عبداللہ بن شوذبؒ کہتے ہیں: ـ جعل والد ابی عبیدۃ بن الجراح یتصدی لابی عبیدۃ یوم بدر، و جعل ابو عبیدۃ یحید عنہ فلما اکثر قصدہ ابو عبیدۃ فقتلہ (ابن ابی حاتم، طبرانی، حاکم، ابونعیم، بیہقی، ابن عساکر) غزوۂ بدر میں جراح نے اپنے فرزند ابوعبیدہؓ کا تعاقب شروع کیا۔ ابوعبیدہؓ ہر وقت کتراتے اور طرح دیتے رہے۔ جب باپ نے شدت سے پیچھا کیا تو حضرت عبیدہؓ نے (باپ کی بھی پرواہ نہ کرکے) قتل کر ڈالا۔" یہ تھی عملی تفسیر ارشاد باری تعالیٰ ولو کانوا آباءھم کی۔

او ابناءھم کی عملی تفسیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ مشہور ہے: ـ دعا ابنہ یوم بدر الی البراز وقال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعنی اکون فی الرعلۃ الاولی قال متعنا یا ابابکر ما تعلم انک عندی بمنزلۃ سمعی وبصری۔ (روح المعانی)

حضرت صدیقؓ نے غزوۂ بدر میں اپنے بیٹے کو دعوت مبارزت دے دی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض پرداز ہوئے کہ مجاہدین کی پہلی کھیپ میں شرکت کی اجازت مرحمت ہو۔ ارشاد مبارک ہوا کہ ابوبکر! ہم کو اپنی رفاقت سے مستفید ہونے کا موقع دو۔ تمھیں معلوم نہیں کہ تم ہمارے گوش وچشم کی جگہ ہو۔" بعد کو یہ فرزند مشرف باسلام ہوئے اور باتوں باتوں میں ایک دن کہا کہ باباجان! غزوۂ بدر میں ایک دفعہ آپ میری زد میں آچکے تھے۔ محض باپ ہونے کے خیال سے آپ کو چھوڑ دیا۔ اس پر حضرت صدیقؓ نے فرمایا۔ جان پدر! اگر کبھی تو میری زد میں آجاتا تو خدا کی قسم! تجھے زندہ نہ چھوڑتا۔ یہ ہے تفسیر او ابناءھم۔

او اخوانھم کی تفسیر عملی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے:۔ قتل اخاہ عبید بن عمیر یوم احد۔ مصعبؓ نے اپنے بھائی عبید ابن عمیر کو غزوۂ احد میں قتل کر ڈالا۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے:۔ قتل خالہ العاص بن ھشام یوم بدر۔ (سیدنا عمرؓ نے) اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کردیا۔" یہ ہے تفسیر او اخوانھم۔

او عشیرتھم کی تفسیر عملی | حضرت مولائے کائنات رضؓ فرماتے ہیں :۔

لما کان یوم بدر، تقدم عتبۃ بن ربیعۃ ومعہ ابنہ و اخوہ فنادی من یبارز..... فقال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم قم یا حمزۃ قم یا علیّ قم یا عبیدۃ بن الحرث فاقبل حمزۃ الی عتبۃ واقبلت الی شیبۃ واختلفت بین عبیدۃ والولید ضربتان فاثخن کلّ منھما صاحبہ ثمّ ملنا علی الولید فقتلناہ واحتملنا عبیدۃ ۔ (ابوداؤد) غزوۂ بدر ہوا تو عتبہ بن ربیعہ نے اپنے بیٹے اور بھائی کے ساتھ بڑھکر للکارا۔ کوئی ہے جو ہمارے مقابلہ کو آئے۔ (مسلمانوں میں سے فوراً تین آدمی آگے بڑھے اس نے نسب دریافت کیا تو ان مسلمانوں نے اپنا اپنا نسب نامہ سنا دیا۔ بولا کہ تم ہماری برابری کے نہیں ہو واپس جاؤ)۔ اس پر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ حمزہؓ! اٹھو۔ علیؓ! اٹھو۔ عبیدہؓ بن حرث! تم بھی اٹھو۔ اب حمزہؓ عتبہ کے مقابل ہوئے اور میں نے شیبہ کا مقابلہ کیا۔ (ہم نے اپنے اپنے حریف کا کام تمام کر ڈالا) عبیدہؓ اور ولید نے ایک دوسرے پر وار کیا۔ ہر ایک کا وار بھرپور تھا۔ پھر ہم ولید پر پل پڑے۔

اس کو بھی قتل کر ڈالا اور عبیدہؓ کو اٹھا لائے ۔" یہ ہے تفسیر او عشیرتھم کی اس سلسلہ کے دیگر واقعات اور بھی ہیں جو حزب اللہ نے اپنی زندگی میں عملاً ثابت کر دکھائے ۔ یہ صرف ایک نمونہ ہے ۔

حزب اللہ کی دُنیوی منقبت ارشاد ربانی ہو رہا ہے :۔ اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ یہ وہ گروہ ہے جن کے دلوں میں اللہ سبحانہ نے ایمان لکھ دیا ہے ۔ یعنی نقش فی الحجر کے طور پر ایمان ان کے قلوب میں پیوست ہو چکا ہے جو نہ کبھی مٹ سکتا ہے اور نہ نکل سکتا ۔ پھر ان کو اپنے پاس سے تازہ روح حیات کے ذریعہ تقویت دی ۔ یہ نور قلب کی طرف اشارہ ہے جو غیب سے اللہ والوں کو عنایت ہوتا ہے ۔ جس سے ان کے دلوں میں طمانیت پیدا ہوتی اور معراج کمال پر پہنچانے کا باعث ہوتی ہے ۔ حیات ابدیہ کا حصول اسی پر موقوف ہے ۔

غور کیجئے کہ روحٌ منہ کا امتیاز جو حضرت مسیح علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کو بخشا گیا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ایک امتی کے لئے ارزانی فرمایا جا رہا ہے جب کہ وہ دشمنان خدا و رسول کے مقابلہ میں اس طرح ڈٹ کر کھڑے ہو جائیں :۔

فیض روح القدس ار گوبند د خواہد کرد دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

ایک سلسلہ حیات حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : ۔ حیاۃ الروح بالتایید وحیاۃ النفس بالروح وحیاۃ الروح بالذکر وحیاۃ الذکر بالذاکر وحیاۃ الذاکر بالمذکور ۔ روح کی زندگی تائید الٰہی سے ہے ۔ اور نفس انسانی کی زندگی روح سے ہے نیز روح کی زندگی ذکر سے ہے ۔ اور ذکر کی زندگی ذاکر سے یعنی ذکر کرنے والے سے ۔ اور ذاکر کی زندگی مذکور سے ہے ۔" یہ ایک سلسلہ حیات ہے جو ایک دوسرے سے وابستہ ہے اور انتہا حی قیوم پر ۔

للّٰہیت کا منظر بہرحال حب فی اللہ اور بغض فی اللہ، مومن کے دل میں اس درجہ ہو کہ اللہ سبحانہ کی راہ میں نہ ماں باپ حائل ہوں اور نہ زن و فرزند، نہ بھائی برادری نہ کنبہ و قبیلہ ۔ اور یہ دولت نور قرآن سے حاصل ہوتی ہے ۔ اسی سے نور قلب پیدا ہوتا ہے ۔ اور اس نور سے مومن جس چیز کو دیکھتا ہے تو ہر سو اس کو اللہ ہی اللہ نظر آتا ہے ۔ استاذی المحترم حضرت مولانا حافظ محمد انوار اللہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں : ۔

خیالت مرا مردم دیدہ شد ازو ہرچہ دیدم رخت دیدہ شد

پھر تائید و نصرت الٰہی اس کی رفیق ہوتی ہے اور وہ جدھر رخ کرتا ہے فتح و کامیابی ساتھ ساتھ رہتی ہے۔ اگر علم و عرفان کا میدان ہو تو، اور اگر جنگ و کارزار کا میدان ہو تو شیاطین الجن کا مقابلہ ہو یا شیاطین الانس کا۔ باطل کا کوئی لشکر مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتا۔ اللہ سبحانہٗ ہم کو اور آپ تمام صاحبین کو ایمان کامل عطا فرمائے۔ آمین

یہاں تک تو کچھ مختصر بیان اس فیضان الٰہی کا تھا جو جاں بازان حق و صدق کے لئے اس دار دنیا میں شامل حال تھا۔ یہاں سے رحلت کے بعد کیا کچھ آؤ بھگت ان کی ہوگی اس کا بیان آگے آرہا ہے۔

حزب اللہ کی اُخروی منقبت

ارشاد ہے:۔ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۔ اور ان کو داخل کرے گا باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی (کہیں پانی کی، کہیں دودھ کی، کہیں شراب کی، کہیں مصفی شہد کی) جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ انسان وحشی الطبع واقع ہوا ہے اس کو تازہ ہوا، کھلی فضا، سبزہ زار، میاہ و انہار، پھل پھول، شراب و کباب، چنگ و رباب عیش و نشاط سے بڑی دلچسپی ہے۔ دنیا میں جب تک رہا محبوس و مسجون کی طرح قید و بندگی زندگی گزاری، الدنیا سجن المومن "دنیا مومن کا قید خانہ ہے"۔ مرضی الٰہی کو

اپنی مرضی پر مقدم رکھا۔ یہ تو دار العمل تھا۔ جب یہاں سے دار الجزا میں پہنچ گئے تو وہاں ہر ہر عمل کی جزا ملے گی۔ جن جن پابندیوں میں انسان گرفتار تھا وہاں آزادی رہیگی۔ باغات ہوں گے' نہریں ہوں گی۔ پھل پھول ہوں گے' ساری چیزیں مہیا ہوں گی۔ یہاں وہ اللہ سے راضی تھے۔ وہاں رضائے الٰہی ان کا استقبال کرے گی۔ اس طرح تمام مقاصد دلی برآئیں گے۔ انتہا یہ کہ دیدار الٰہی جس کی خواہش بنی اسرائیل نے کی تھی۔ خود بنی اسرائیل کے نبی مکرم حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام سے بھی رہا نہ گیا تھا۔ رب ارنی انظر الیك کا نعرہ بے ساختہ آپ کی زبان مبارک سے نکل گیا تھا مگر جواب لن ترانی سن کر' اور صرف ایک تجلی سے بیہوش ہو کر تبتُ الآن فرمادیا تھا اس دیدار پُر انوار سے بھی مشرف ہوں گے۔

حزب اللہ کی کامیابی آپ خیال کرتے ہوں گے کہ آخر یہ کون لوگ ہیں اور کیوں ان کی ایسی خاطر داری ہے؟ فرماتے ہیں:۔ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا لشکر ہے۔ جو اللہ کے نام پر جیتا اور اللہ کا نام شام و سحر' صبح و مسا لیتا اور اللہ ہی کے نام پر مرمٹتے اور اپنے مال و جان سب کچھ قربان کردیتے

کے لئے ہمیشہ ہمیشہ سر بہ کف تیار رہتا تھا۔ اگر وقت آگیا تو ہر چیز کو قربان کر دیا اور اپنی جان تک کی بازی لگا دی۔ جس کے نتیجے میں اسکو دارین کی فلاح و کامیابی نصیب ہوئی۔ ؎

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کناد این عاشقان پاک طینت را

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا و مولٰنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین۔

سورہ مجادلہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ فللہ الحمد

۴ / ذی الحجۃ الحرام ۱۳۷۵ھ۔ جمعہ
